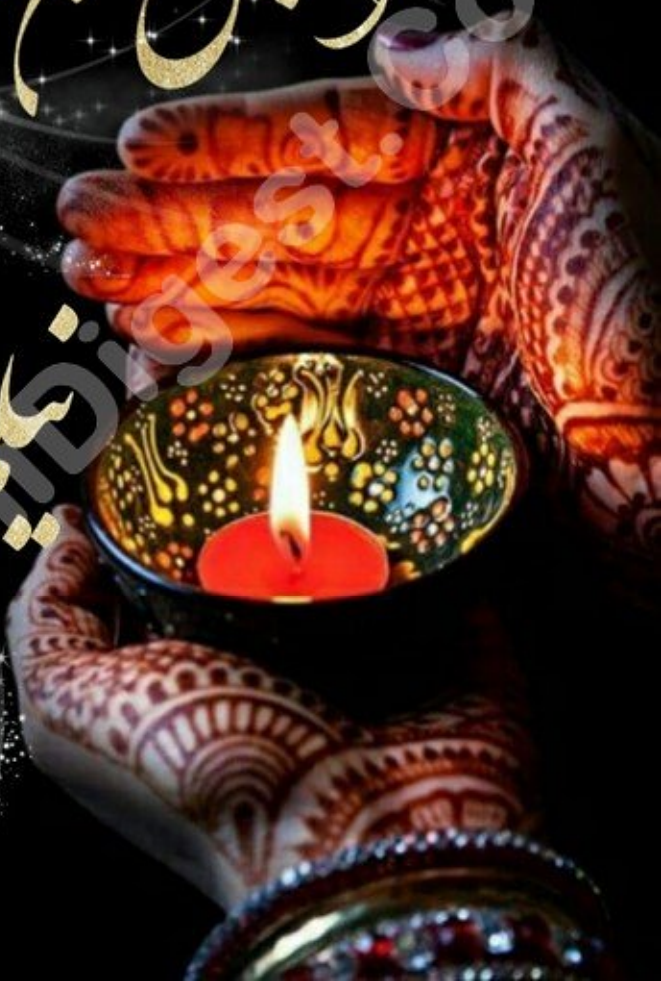


آنچه بخت بدو دیا

سید بریاست



آنچل میں جلتا دیا

”گاڑی میں بیٹھو ہم یہاں نہیں رک سکتے۔۔۔“

”کیا بات کر رہی ہو۔۔۔ ہم لوگ ایسے کیسے یہاں سے جاسکتے ہیں۔۔۔“

”کیوں نہیں جاسکتے۔۔۔؟ میری بات سنو یہ قوف انسان پولیس کسی بھی وقت یہاں آ سکتی ہے۔۔۔ اور جائے وقوع پہ ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی بھی موجود نہیں ہے۔۔۔ پولیس ہمیں پکڑے گی۔۔۔“

”تم ایبولنس کوفون کرو مثال اس لڑکی کی نبض چل رہی ہے۔۔۔ ہمیں اسکو جلد از جلد ہسپتال پہنچانا چاہیے“

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا کیا تم نے تب سے کسی ایک لفظ پر بھی غور کیا ہے کہ میں بک کیا رہی ہوں۔۔۔ جیل ہو جائے گی۔۔۔ سنا تم نے ہمیں جیل ہو جائے گی۔۔۔“

”اومائے گاڈ مثال اس لڑکے کو سانس نہیں آرہی ہے۔۔۔ یہ سارا میرا قصور ہے۔۔۔ ایبولینس بلاؤ تم میرا سر کھائے جا رہی ہو۔۔۔ میری بات کیوں نہیں سنتی ہو۔۔۔ دو لوگ مر جائیں گے۔۔۔ ہم انکو اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔۔۔ اس وقت انکو ہماری ضرورت ہے۔۔۔ پلیز مثال میرا ساتھ دو۔۔۔ میں کسی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا ہوں۔۔۔ جلدی کرو میری مدد کرو انکو گاڑی میں ڈال کر ہسپتال لے چلتے ہیں۔۔۔“

”خبردار جو تم نے میری گاڑی میں ان خون سے لتھڑے لوگوں کو ڈالا۔۔۔ تمہارا تو دماغ کام کرنا چھوڑ گیا ہے مگر میں اتنی پاگل نہیں ہوں کہ پھانسی کا پھندہ گلے میں ڈال کر پھروں۔۔۔ میں جا رہی ہوں۔۔۔ تم کرتے رہو خدمتِ خلق جیل کی سلاخوں کے پیچھے جب سر و تو مجھے آواز مت دینا۔۔۔ پاگل آدمی۔۔۔“

اس سے پہلے وہ نوجوان سمجھ پاتا کہ وہ دو شیرہ کیا کرنے کی ٹھان چکی ہے۔۔۔ وہ گاڑی میں بیٹھی اور بھگالے گئی۔۔۔

آخری لمحات میں وہ دیوانوں کی طرح اس کے پیچھے پکا مگر تب تک دیر ہو چکی تھی۔۔۔

دور ہوتی گاڑی کی پیچھلی سرخ بتی اس کو موت کا احساس دلوا رہی تھی۔۔۔ موت جو اسکے ارد گرد بہت قریب منڈلا رہی تھی۔۔۔

گہری سیاہ رات خالی پڑی لمبی سڑک پہ سوائے دوسری کار کے ٹوٹے فریم اور دو نیم مردہ وجودوں کے اور کچھ بھی نہ تھا۔۔۔

اور جو انسان اس وقت جسمانی طور پر بالکل محفوظ تھا دماغی طور پہ بالکل مفلوج محسوس کر رہا تھا۔۔۔



وہ اپنے وفد کے ساتھ بڑی ضروری میٹنگ سے ہو کر واپسی پر اپنے درمیان دوست کے دفتر چلا آیا۔

باقی سب لوگ دوسری گاڑی میں موجود تھے۔ جو وہیں سے سیدھے آفس مڑ گئے۔

اُس کے ساتھ اس وقت فقہ اسکاڈرائیو اور پی اے موجود تھا۔

مطلوبہ منزل پر جا کر لفٹ کی دروازہ واہ ہوا۔ وہ دونوں سوئٹ بونڈ افراد لفٹ سے باہر آئے۔ استقبال کو آفس کا باس خود وہاں پر موجود تھا۔ کیونکہ انٹرکام کے ذریعے اس کو اطلاع دی گئی تھی۔

اپنے دوست کے ساتھ خوش دلی سے گلے ملتے ہوئے۔ اُس کی نظر بلا ارادہ ہی سامنے موجود ویٹیکنگ روم پر پڑی اور چونک گئی۔

اس چہرے کی تلاش میں اُس نے بڑی خواری جھیلی تھی۔ تب سوائے ناکامی کے اور کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ اور آج یوں اچانک سے نظر اٹھ گیا تھا۔

اُسکا دوست اُسے اور اُسکے پی اے کو اپنے آفس میں لے گیا۔ ادھر ادھر کی باتیں ہوئیں۔ چائے پینے کے دوران اُس نے وہ بات لبوں سے نکالی جو آتے ساتھ سے ہی کہنا چاہ رہا تھا۔

"احمد کیا آج تم لوگ کسی پوسٹ کے لیے نئے امیدواروں کے انٹرویو لے رہے ہو؟۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ تم نے باہر بیٹھی عوام کو دیکھ کر اندازہ لگایا ہوگا۔ یہی شارپ انسان کی نشانی ہے۔ ہر چیز نوٹ کرتا ہے۔"

"کونسی دیکھنی ہے؟۔۔۔"

"یار پروف ریڈنگ میں تھوڑی مدد چاہیے تھی۔ اسی سلسلے میں آج کچھ لوگوں کو بُلا یا ہوا ہے۔"

"کیا تم پتہ کر سکتے ہو۔ انٹرویو ہو گئے کہ نہیں؟۔۔۔"

احمد نے اُبھن بھری نظروں سے اپنے دوست کو دیکھا۔

"نہیں انٹرویو ڈیڑھ بجے شروع ہونے ہیں۔ ابھی پندرہ منٹ باقی ہیں۔"

"کیا میرا پی اے انٹرویو لینے والے پینل کا حصہ بن سکتا ہے؟۔۔۔"

سوال کرنے کے دوران اُس نے اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب سے پین نکلا احمد کی میز پر بکھرے ہوئے

کافذوں میں سے ایک خالی کافذ لیا اور اُس پر چند انگریزی کے حرف کھینچ کر اپنے پی اے کی جانب بڑھ دئے۔

جسے اُس نے پھرتی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھنے کے بعد پکڑ کر فوری طور پر پڑھ لیا۔ جس پر لکھا تھا۔

"ریڈسکارف' بلیک فائل' بیلوڈریس۔۔۔ شی از داؤن۔۔۔" پی اے نے پرچی جیب میں ڈالنے کے بعد

سراشات میں ہلایا۔

احمد کی سوالیہ نظریں اپنے دوست اور اُس کے پی اے کو دیکھ رہی تھیں۔ آخر کار بولنا پڑا۔

"بوائے آئی ہو پ ایوری تھیٹنگ اِزاو کے۔۔۔"

"سب اے ون ہے۔ بس میرے پی اے کو اُسکے کام کی جگہ تک پہنچا دو۔ اور جس کو یہ اپائنٹ کرے گا۔ تم

اسی لڑکی کو جاب دو گے۔"

احمد اپنی سیٹ پر سیدھا ہو کہ بیٹھ گیا۔

”ایسا میں کیوں کرونگا؟۔“

سامنے والے نے اپنا پین بند کر کے واپس جیب میں رکھا۔ اور بڑے اطمینان سے بولا۔

”کیونکہ میں کہہ رہا ہوں۔“

”بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟۔“

احمد کے لبوں پر بڑی گہری مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ سامنے والا بھی دھیرے سے مسکرایا۔

”کیا چاہتے ہو۔“

”اپنی کچنی میں انویسٹمنٹ۔“

”کتنے پرسنٹ۔“

”یہی کوئی تیس چالیس پرسنٹ۔“

سامنے والے نے احمد کو یوں دیکھا۔ جیسے اسکا دماغ چل گیا ہو۔ پھر بولا۔

”اگر تم سمجھ رہے ہو۔ میں اپنے ارد گرد سے لاعلم رہتا ہوں۔ تو میں تمہیں بتا دوں۔ میرے علم میں یہ بات

بہت عرصے سے ہے۔ تمہاری کچنی مسلسل خسارے میں جا رہی ہے۔ پچھلے چھ ماہ سے ایک بھی کتاب شائع نہیں

ہوئی۔ اب تم چاہ رہے ہو۔ میں اس ڈوبتی ناؤ میں اپنا پیسہ ڈبو دوں۔ بھلا کب سے میں اتنا احمق ہوا ہوں؟۔“

”میں نے کب تمہاری منت کی ہے۔ وہ تو تم نے اپنا حکم چلانا چاہا تو مجھے یاد آیا کچنی میری ہے۔ اس لیے نوکری

بھی اب اسکو ملے گی۔ جسے میں چاہوں۔“

”بڑے ہی کم ظرف انسان ہو۔“

”نہ نہ پیارے میں کم ظرف نہیں بلکہ اپرچونٹ ہوں۔ آج قسمت نے میرے دروازے پہ دتک دی ہے۔“

”تو میں یہ موقع کیسے جانے دوں؟۔“

”تمہیں اگر مالی مدد کی ضرورت ہے۔ تو مجھ سے جتنی رقم لینا چاہو۔ میں دینے کو تیار ہوں۔ مگر انویسٹمنٹ

کرنے کے لیے میرا دل نہیں مان رہا۔“

”دیکھو خازن ایاز میرا بال بال پہلے ہی قرضے میں بھیگا ہوا ہے۔ لہذا مجھے مدد نہیں پارٹرشپ چاہیے۔“

آپٹل میں جلتا دیا

”عجیب آدمی ہو۔ اگر یہی تمہارا فیصلہ ہے۔ تو میں تیس فیصد کی بجائے پچاس فیصد کی پارٹنرشپ پہ پیسہ لگانے کو تیار ہوں۔ اگر منظور ہے۔ تو تفصیل فائر کے ساتھ طے کر لینا۔ مجھے اب اجازت؟۔“

اسکے ساتھ ہی وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ احمد نے بھی ساتھ دیا۔

”تم سوچ سمجھ لو خازن اتنی جلدی کیا ہے۔“

”جلدی ہی ہے۔ جسکو میں نوکری دوں گا۔ تنخواہ بھی اُسکی میں ہی فائل کرونگا۔ اُمید ہے تمہیں اعتراض نہیں ہوگا۔“

اُس نے احمد کے ساتھ الوداعی مصافحہ کیا۔ فائر کو کام ختم کر کے آفس آنے کی تلقین کی اور وہاں سے نکل آیا۔ واپسی پر وہ جان بوجھ کر اُسکے سامنے سے گزرا مگر وہ متوجہ بھی نہ ہوئی۔

☆.....☆.....☆

فرحین بھابھی اُسکو آواز دیتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ وہ اس گُزرے ایک سال میں اُنکے اس انداز کی اچھی طرح عادی ہو چکی تھی۔ یہ بھابھی کا خاص سٹائل تھا۔ اُسکو خبردار کرنے کا کہ میں آرہی ہوں۔ لہذا اگر آنسو بہا رہی ہو تو فوراً چہرہ صاف کر کے مسکراہٹ سجالو۔ اور وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتی تھی۔

ابھی بھی جلدی جلدی دوپٹے میں آنسو جذب کئے۔ مگر اٹھ کے نہیں بیٹھی۔

”ضیثمہ جانی اس وقت کیوں سو رہی ہو۔ باہر بابا چائے پہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ تہمینہ آنتی فطرت سے ملنے کے لیے آئی ہوئی ہیں۔ اب کتنا برا لگے گا اگر تم باہر نہ آؤ۔“

فرحین دیکھ کر بھی اُسکی سرخ ہوتی آنکھیں اور ناک اگنور کر گئی۔

”میں تمہارا لباس نکال دیتی ہوں۔ بس پانچ منٹ میں تیار ہو کر میرے ساتھ آؤ۔“

”بھابھی میرا دل نہیں چاہ رہا۔“

”ضیثمہ جانی تمہیں نہیں لگتا ہم نے اس دیوانے دل کی بہت سُن لی ہے۔ اب ہمیں دماغ کی بات سُننی چاہیے۔“

وہ کچھ نہیں بولی بس اٹھ کر بیٹھ گئی۔ فرحین نے پیلا اور سفید سوٹ نکال کر ٹینگر اُسکے سامنے رکھا۔

تہمینہ آہنی کی بڑی بیٹی بھی آج اُنکے ساتھ آئی ہوئی ہے۔
فرحین بھابھی کی بات پر اُس نے خوفزدہ نظروں سے اُنکودیکھا۔
مگر وہ اُسکی جانب دیکھے بغیر ہی اپنے کام میں مصروف رہیں۔

”میں نے اُنکا تمہاری طرف رجحان دیکھ کر پچھلے ہفتے فون کر کے اُنکوساری حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا۔ ایک ہفتے تک اُنکی جانب سے کوئی رسپانس نہیں آیا تو میں سمجھی اُنکا ارادہ بدل گیا ہوگا۔ مگر میں غلط تھی۔ کیونکہ آج وہ باقاعدہ رشتہ پکا کرنے کے لیے آئی ہیں۔ میں بہت خوش ہوں۔ مجھے لگتا ہے۔ وہ اب بھی کہیں بیٹھ کر تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اور تم اُسکی دُعاؤں کا حصہ ہو۔ تبھی تو اتنا شاندار رشتہ آیا ہے۔ ورنہ اتنے پڑھے لکھے لڑکے کی اتنی ماڈرن ماں کو کیا پڑی تھی۔ جو وہ ہمارے گھر کے اتنے چکر لگاتی۔“
وہ اب بھی کچھ نہیں بولی۔۔۔۔۔

اُسکے زکر پر ایک دفعہ اُمڈ آنے والے آنسو بڑی دکت سے پنی گئی۔
پہلے بھابھی کے بے ہنگم قبضے اس گھر کی چار دیواری میں گونجا کرتے تھے۔ مگر اب وہ باتونی ہو گئی تھیں۔ یا شاید اپنے اندر کی آوازوں کو دبانے کا نیا انداز اپنالیا ہوا تھا۔
انہوں نے اُس کا ہاتھ تھام کر اسکو واش روم میں بھیجا۔۔۔۔۔
”صرف پانچ منٹ میں باہر آؤ۔“

اُس نے کہے پر عمل کیا۔ کپڑے بدل کر باہر آئی۔ سفید کھدر کی شرٹ کے اوپر پیلا ریشم کا کام ہوا تھا۔ ساتھ گرم کپڑے کا پیلا شوار دوپٹہ تھا۔ یہ بات تو اس گھر کا ہر فرد جانتا تھا۔ اُس پر نیم رنگ خوب چجتے تھے۔ اُس کے چہرے کی گلابیاں اور زیادہ نمایا ہو جاتی تھیں۔
وہ باہر آئی تو بھابھی کو اپنا منتظر پایا۔

انہوں نے سفید تلے والا کُھسہ اُسکے پیروں کے قریب زمین پر رکھا۔ ہاتھ میں ہیر برش لیکر اُسکی پشت کی جانب آگئیں۔ اتنے سے وقت میں اُسکی ساری چوٹی کھول کر نئے سرے سے کوئی ترتیب دینا مشکل مرحلہ تھا۔ مگر وہ ضیثمہ کے لیے بال سنوارنے کا کام تقریباً اُسکے بچپن سے کرتی آرہی تھیں۔ ابھی بھی جلدی جلدی چار پانچ

بل کھول کر پونی ڈال دی۔ آگے سے برش مار کر بال برابر کئے۔

”ہلکی سی لپ سنک لگا لو۔۔“

اُس نے خاموشی سے یہ بات بھی مان لی۔

بھابھی کے ساتھ کمرے سے نکل کر ڈرائیونگ روم کی جانب آئی۔ شام ہو رہی تھی۔ کھانے کا وقت نہیں تھا۔ اس وقت عموماً گھر میں چائے کا دور چلتا تھا۔

وہ اندر داخل ہوئی اُسے دیکھتے ہی تہمینہ بیگم اپنی جگہ سے کھڑی ہوئیں۔

”ماشا اللہ میری بیٹی تو سادے سے روپ میں بھی اتنی باریک پیاری لگ رہی ہے۔“

وہ اُن کے گلے ملتے ہوئے بس ہلکا سا مسکراہٹ کی۔

”کہیں میں بے وقت تو نہیں آگئی ہوں۔“

اُنکے معذرت خواہ لہجے میں پوچھنے پر ضیثمہ کو لگا جواب نہ دینا بڑی بات ہو گئی۔ اس لیے بولی۔

”ایسی تو کوئی بات نہیں۔ آپ کا اپنا گھر ہے۔ جس وقت مرضی آئیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“

یہ ضیثمہ کی اُنکے ساتھ چوتھی ملاقات تھی۔ اور پہلی دفعہ اُس نے اتنا لمبا فقرہ بولا تھا۔ جسے تہمینہ نے بھی خاص محسوس کیا۔ اُن کے چہرے پر فخریہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ ساتھ ہی نظروں نظروں سے اپنی بڑی بیٹی کو مخاطب کیا۔

”دیکھا تم نے میری ہونے والی بہو کا اخلاق۔۔۔“

دانیہ کو ماں کا یوں اچانک اس لڑکی پر فدا ہونا اتنا پسند نہیں آیا تھا۔ کیونکہ یہ بھری پڑی دنیا میں انکو اپنے کلوتے پیٹے کے لیے لڑکی بھائی بھی تو کون؟ ایک بیوہ۔۔۔؟۔۔۔ چاہے ابھی صرف نکاح ہی ہوا تھا۔ پر وہ کسی اور کے نام سے منسوب تو رہی چکی تھی۔ اُسکے لاکھوں میں ایک بھائی جو بھلا کہاں لڑکی کی کمی تھی۔ مگر اپنی ماں کا کیا کرتے جن کا دل ضیثمہ پہ آیا تھا۔

مگر لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی جب تہمینہ کے دل و دماغ سے ضیثمہ کا بھوت نہ اُترا مجبوراً اُن چاروں بہنوں کو ماں کی ہاں میں ہاں ملانی پڑی تھی۔ اور مزے کی بات یہ تھی۔ اس وقت وہ لڑکی والوں کے ہاں اپنا آخری فیصلہ ایک لاکھ سلامی کی صورت میں دینے کے لیے آئی ہوئی تھیں جبکہ لڑکے کے ابھی فرشتوں کو بھی علم نہ

تھا۔ دانیہ دل ہی دل میں ڈر رہی تھی۔ کیا ہوگا اگر اسی ادھر بات پکی کر گئیں۔ اور خازن کسی اور کو پسند کرتا ہوا۔ وہ تو ہے بھی اتنا خود مختار جسے باتوں میں لگا کر اپنی مرضی نہیں کروائی جاسکتی۔

ضیثمہ نے چائے نکال کر دانیہ کے سامنے میز پر رکھی تو وہ اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر آئیں۔

”ضیثمہ تمہاری تعلیم کیا ہے؟۔“

”میں نے اُردو لٹریچر میں ایم اے کیا ہوا ہے۔“

نرم آواز دھیمے لہجہ پر اعتماد انداز۔۔۔ دانیہ نے چونک کر ایک نئے سرے سے اسکو سر تا پا غور سے دیکھا۔

وہ باری باری چائے بنا کر سب کو دے رہی تھی۔

”بھائی صاحب اپنے گھر میں سب سے بڑی میں ہی ہوں۔ بچیاں سب شادی شدہ ہیں۔ خازن کا گھر میں تیسرا نمبر ہے۔ میرا بچہ بڑا زمہ دار اور اخلاق والا ہے۔ انکے والد کو ہم سے پچھروے پندرہ سال ہو گئے ہیں۔ دانیہ کی شادی انہوں نے اپنی زندگی میں کی تھی۔ باقی تینوں کو بھائی نے ہی باپ بن کر رخصت کیا ہے۔ کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ آپ میرے گھر کے نوکروں تک سے ہمارے بارے میں تقشیر کر سکتے ہیں۔ آپ کو لگے لگا کہ بوڑھی عورت تھیلی پر سروسوں جمارہی ہے۔ مگر میں پچھلے تین سالوں سے خازن کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی ہوں۔ یہ تو اللہ کی کرنی اس دن اپنی دوست کے گھر پہ مجھے ضیثمہ بیٹی نظر آ گئی۔ یقین مانے ایک نظر میں ہی مجھے بڑی اپنی سی محسوس ہوئی تھی۔ اسی لیے اگلے دن ہی میں آپکے گھر آ گئی تھی۔“

چائے کے ہلکے ہلکے گھونٹ بھرنے کے دوران وہ اپنا مدعا بیان کر رہی تھیں۔

”فرحین نے مجھے جب اپنے بھائی کی اچانک وفات کے بارے میں بتایا مجھے یقین ہی نہیں آیا۔ اللہ کے راز اللہ ہی جانتے ہیں۔ میں بات کو زیادہ طول نہ دیتے ہوئے۔ یہ کہنا چاہتی ہوں۔ مجھے آپکی ضیثمہ بڑی پسند ہے۔ اسے میری بہو بنا دیجیے میرا بیٹا اسکو بہت خوش رکھے گا۔“

”آپ کی بات سر آنکھوں پر بہن جی۔۔۔ ہماری خوش نصیبی ہے جو آپ اتنی چاہت سے میری بچی کا ہاتھ مانگ رہی ہیں۔ مگر میں چاہتا ہوں۔ شادی کا فیصلہ ضیثمہ خود کرے۔ اسکے لیے ضروری ہے۔ یا تو یہ خازن بیٹے سے ملے یا فون پہ بات کر لے۔ اسکے بعد جو بھی فیصلہ یہ کرے گی۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ آپ کو شائد میری

بات عجیب لگے۔ حقیقت یہ ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے پیارے نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے۔ اگر لڑکی کی پہلی شادی ہے۔ تو اُسکی خاموشی کو ہی اُسکی رضا سمجھا جائے۔ اور اگر اُسکی دوسری شادی ہے۔ اُس صورت میں ضروری ہے۔ کہ وہ با آواز اپنی مرضی کا اعلان کرے۔ میری بیٹی بڑی سعادت مند ہے۔ اسکا پہلا فیصلہ میں نے خود کیا تھا۔ جسے اس نے دل سے قبول کیا۔ اب صورتحال اور ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کوئی بھی بات فاسل کرنے سے پہلے بچوں کی آپس میں بات چیت کروادی جائے۔ اس طرح سے اگر خازن پیٹے کے کوئی تحفظات ہوتے تو دور ہو جائینگے۔

دانیہ شاک سے حمید صاحب کی بات سُن رہی تھی۔ وہ لوگ تو سمجھ رہے تھے۔ اتنے بڑے گھر کا رشتہ یہاں فٹ سے قبول کر لیا جائے گا۔ بیٹیوں کی مرضی اور چاہت کو ایسے طبقے میں کہاں اہمیت دی جاتی ہوگی۔ مگر ضیثمہ کے والد نے دانیہ کو اچھا خاصہ جھٹکا دیا تھا۔ سادہ سے نظر آنے والے انسان کی سوچ اتنی پیاری اور اُجلی ہوگی۔ وہ بے اختیار بولی۔

”مجھے تو انکل کی بات بہت پسند آئی ہے۔ اور میں اس سے سو فیصد اتفاق کرتی ہوں۔ آخری فیصلہ خازن اور ضیثمہ پہ ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ کیوں مُمی؟۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ پر جو گفت آج میں ضیثمہ کے لیے لے کر آئی ہوں۔ انکا فیصلہ کل کو جو بھی ہو۔ میں آج یہ تحفے واپس لیکر نہیں جاؤنگی۔“

اُنکے انداز پہ سب کے ہی لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ سوائے ضیثمہ کے۔۔۔ جو جیسے خود کو مضبوط بنا کر وہاں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی۔ یا اسکا رب۔۔۔

چائے پی گئی۔ تمہینہ جانے کے لیے اجازت لیتے ہوئے کھڑی ہوئیں۔ اپنے ہینڈ بیگ سے ہیرے کی انگوٹھی نکال کر ضیثمہ کے نازک سے ہاتھ میں ڈال دی۔ ضیثمہ سر جھکاتے مسلسل پلکیں جھپکتے ہوئے آنسو ٹالنے میں مصروف رہی۔

صرف چند اور پل مجھے اُدھار دے دو
میں اپنے درد کو دنیا سے چھپا کر کہیں لے جاؤں۔۔۔۔
مجھے گورا نہیں کہ تیری میری یادوں کی صبح سر بازار سجے۔۔۔

پھول مڑجھائے 'انسو بھرائے' آنکھیں ترسیں پر یار نظر نہ آئے۔

ہیرے کی اتنی بھاری انگوٹھی کے علاوہ وہ ایک لاکھ روپیہ اسی گود میں رکھ گئیں۔ جکو بھابھی نے بڑے اسرار کے بعد پچاس ہزار میں بدلا۔۔۔ کیونکہ تہمینہ اور دانیہ کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھیں۔

مہمانوں کے جانے کے بعد بھائی اٹھ کر باہر چلے گئے۔ ابو مسجد کو چلے گئے۔ ضیثمہ نے خود کو کمرے میں بند کر لیا۔ بھابھی ملازم کے ساتھ مل کر برتن سمیٹنے میں مصروف ہو گئیں۔ یہ الگ بات۔۔۔ کام کم کیا آنسو زیادہ پونچھے۔ ابھی زیادہ پرانی بات تو تھی۔ انکا صحیح سلامت چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ ضیثمہ اور فرحین آپس میں تند بھاج تو تھیں ہی پر چچا زاد بھی تھیں۔ آپس میں وٹا سٹا ہوا تھا۔ محبتوں کے جھولے میں جھولتے جھولتے نہ جانے کب آنکھ گھلی اور سب کچھ ختم ہو گیا۔



گھر پہنچتے ہی تہمینہ نے دانیہ کو حکم دیا۔

"جلدی سے زرا اپنے بھائی کا نمبر ملا کر دو۔"

"امی وہ اس وقت ملک سے باہر گیا ہوا ہے۔ آپ جانتی ہیں۔ اپنے کام کے دوران تنگ کرنے کو وہ کس قدر نہ پسند کرتا ہے۔"

"دانی بھاڑ میں گیا سارا کام۔۔۔ بوڑھا ہوا جا رہا ہے۔ کام کام کے سوا اس کو دنیا کا کوئی ہوش نہیں ہے۔ نہ جانے کتنے کتنے دن اپنی شکل دیکھائے بغیر مجھے اکڑنے کو اکیلا اس گھر میں نوکروں کی فوج کے ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ تم بس اسکا نمبر ملاؤ۔ اگر اسکو ناگوار گزیرے گا تو میں خود ڈیل کر لوں گی۔"

دانیہ نے اپنے سیل پہ سپیڈ ڈائل میں موجود غازن کا نمبر ملا لیا۔

ہر دفعہ کی طرح دوسری طرف سے فون اٹھانے والا فائر تھا۔

"اسلام علیکم۔۔"

"وعلیکم اسلام فاتر زرا اپنے سر کو فون دو۔"

"آپی سراس وقت ڈنر کر رہے ہیں۔"

”مئی نے بہت ضروری بات کرتی ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں۔“

لائن ہولڈ پر رکھی گئی۔

دومنٹ بعد بھاری آواز ابھری۔

”جی مئی فرمائیے۔۔۔“

”خازن ایاز تمہاری زندگی میں ماں اہم ہے۔ یا تمہارا کام؟۔۔۔“

دوسری جانب خاموشی چھائی۔ بس بیک گراؤنڈ میں گچھ کانٹے رکھنے اٹھانے کی آواز آرہی تھی۔

وہ کسی سے ایکسکیوز کرتا ہوا۔ کوئی دروازہ کھول کر باہر آیا تھا۔ کیونکہ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز کے

ساتھ ہی باقی آوازیں بند ہو گئی تھیں۔

”کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے؟ اپنی آواز سے آپ مجھے کچھ ناراض لگ رہی ہیں۔“

”خازن میں نے نہ صرف تمہارے لیے لڑکی ڈھونڈ لی ہے۔ بلکہ ابھی ابھی تمہاری اُسکے ساتھ بات چکی کر کے

گھر آ رہی ہوں۔“

”آپ مذاق کر رہی ہیں۔“

اُسکا لہجہ مسکرا رہا تھا۔

”میں تنہائی سے تنگ آ گئی ہوں۔ یہ اتنا بڑا عمل نما گھر مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ تم سب بھائی بہن اپنی

اپنی روٹین میں مگن ہو۔ تم لوگوں کو کیا خبر کیسے دن سے رات کرتی ہوں۔ پچھلے تین سالوں سے میں تمہاری منتیں کر

رہی ہوں۔ شادی کرلو۔ اگر کوئی لڑکی پسند ہے۔ تو مجھے بتاؤ میں رشتہ لے جاتی ہوں۔ تم نے مجھے ٹالنے کے سوا اور کوئی

کام نہیں کیا ہے۔ اسلیے آج میں اپنی مرضی سے تمہاری بات چکی کر آئی ہوں۔ اب اگر ماں کی عزت کا زرا بھی خیال

ہے۔ تو فون کر کے ایک دفعہ اُس بچی سے بات کرلو۔ ورنہ میں تمہارا گھر چھوڑ کر اپنے بھائی کے پاس جا رہی ہوں۔“

اُس نے بے قراری سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔۔۔

”مئی یوں اچانک سے آپکو میری شادی کا کیا خیال آ گیا ہے۔ شادی کرونگا انشا اللہ میں نے کونسا انکار کیا ہے

۔ ہر ایسے رات کے رات شادی ممکن نہیں ہے۔ مجھے صرف ایک سال دے دیں۔ میں اپنا کام سمیٹ لیتا ہوں۔ اس کے بعد جہاں کہیں گی۔ جس سے کہیں گی۔ آنکھ بند کر کے ہاں کر دوں گا۔

”خازن مہنگے ہسپتالوں اور سیٹسٹ ڈاکٹروں سے علاج کروا کر یہ نہ سمجھو کہ تمہاری ماں کی تلاش میں آنے والے موت کے فرشتوں کو بھی یہ ڈاکٹر واپس بھیج دیں گے۔ میں شوگر کی مریض ہوں۔ گردے میں درد کی شکایت مجھے رہتی ہے۔ تم ایک سال کی بات کر رہے ہو۔ میں یہاں ایک ایک ہل گن کر گزاری رہی ہوں۔ تم اتنا کام کس کے لیے کر رہے ہو۔ اتنا پیسہ جمع کر کے کیا کرنا ہے؟“

”مئی لوگ اندر میرا انتظار کر رہے ہیں۔ کیا میں آپ کو ایک گھنٹے بعد کال کروں؟۔ پلیز مئی۔“

”صرف اس شرط پر کہ تم آج ہی اسے فون کرو گے۔“

”کس کو؟۔“

”ضیثمہ کو۔“

”مئی اب یہ ضیثمہ کون ہے؟۔“

”وہی لڑکی جس جے ساتھ میں نے تمہاری شادی پکی کی ہے۔“

”جب آپ نے شادی پکی کر دی ہے۔ تو میرا کال کرنے کا کیا مقصد؟۔ اور یہ کیسا نام ہوا۔ ریشمہ تو سنا ہے۔“

”ضیثمہ بھلا کس قسم کا نام ہے؟۔“

”خازن مجھے دلوں کے تمہارا جواب چاہیے۔ کوئی جھوٹی امید مت دینا۔ مکھن لگا کر وقت بڑھانے کی کوشش بھی نہ کرنا۔ ساری عمر اپنی شکل دیکھانے سے انکار کر دوں گی۔“

”ماں آخر آپ کو یوں اچانک سے ہو کیا گیا ہے۔“

”یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔“

”مجھے تو آپ کا سوال بھی یاد نہیں رہا۔ کیا پوچھ رہی ہیں۔“

”میں پوچھ رہی ہوں۔ آیا تم آج ضیثمہ کو فون کرو گے یا نہیں۔ نہ کرنے سے پہلے اتنا جان لو۔ ماں خاموشی سے کہیں چلی جائے گی۔“

”کیا خوفناک باتیں کر رہی ہیں۔ گاڈ۔۔۔!! میں تو ادھر ہوں بھی نہیں۔ ورنہ ہاتھ پیر پکڑ لیتا۔ اچھا آپ پریشان نہ ہوں۔ مجھے اُسکا نمبر فارورڈ کر دیں میں کال کر لوں گا۔“

”وعدہ کر رہے ہو؟۔۔“

”اچھا اب میں اتنا بے اعتبار ہو گیا ہوں۔ قمیص وعدے لے رہی ہیں۔“

”مجھے واقعی تم پہ یقین نہیں رہا۔“

”مُمی میں اس وقت اتنی اہم ڈیل سائن کرنے والا تھا۔ آپکی کال کی وجہ سے درمیان میں انک گئی۔ اور آپ کو اپنے پیٹے پہ اعتبار ہی نہیں۔“

”یعنی تم یہ کہنا چاہ رہے ہو۔ میں نے عین وقت پہ کال کر کے تمہارا نقصان کیا ہے۔“

”آج آپ کو ہو کیا گیا ہے۔ سارے مطلب ہی غلط لے رہی ہیں۔ میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں۔ آپ میرے لیے اتنی اہم ہیں۔ میں نفع نقصان سوچے بغیر کانفرنس کی میز سے اٹھ کر آ گیا ہوں۔ اور آپ مجھ سے وعدے لے رہی ہیں۔ باہر کی دنیا کے لیے میری زبان کی اہمیت ہے۔ میری اپنی ماں کو میرا یقین ہی نہیں۔ وٹ خُدا آئی کال مائے سیلف آؤیز اور آلوڈر؟۔۔“

”باہر کی دنیا کے ساتھ تم نے اپنا لین دین سیدھا رکھا ہوا ہے۔ جو بات کہتے ہو۔ عملاً ویسا ہی کرتے ہو۔ جبکہ گھر میں تم جو نہیں کہتے وہ کرتے ہو۔ زرا یہ ہی بتادو آخری دفعہ کب گھر پہ ماں کے ساتھ بیٹھ کر ڈنر کیا تھا؟۔۔“

”آن دا ٹوٹی سیونٹھ آف دالاسٹ منتھ۔ میری یادداشت بہت اچھی ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ اب زرا یہ بھی بتادو۔ لاسٹ منتھ کی ٹوٹی سیونٹھ کو گورے کتنے دن ہو گئے ہیں؟۔۔“

”آآآآ اب ٹریکی سوال پوچھ رہی ہیں۔ اُس بین ٹوٹی سیون ڈیز۔۔۔“

”ایگو یکٹلی۔۔۔!!۔۔۔“

غازن نے اپنی آنکھیں موند لیں۔ اور گہرا سانس خارج کیا۔۔

”آتم سوری ماں۔۔۔ مگر میں چاہ کر بھی وقت نہیں نکال سکا۔“

”میری جان کس لیے؟ کس لیے اپنے آپ پر اس درجہ قلم کر رہے ہو؟ غازن تم یہ بات مانتے کیوں نہیں ہو

اب ہمارے پہلے جیسے دن نہیں رہے۔ اب تو تمہارے پاس اتنا کچھ ہے۔ اگر فارغ بیٹھ کر بھی کھانا شروع کرو گے تو تمہاری آنے والی کچھ نسلوں کے لیے کافی ہوگا۔

”مئی جتنی نسلوں کے لیے کافی ہوا۔ اُنکے بعد والی کا کیا بنے گا؟۔“

”تو بہ کرو پاگل لڑکے۔۔ رزق دینا اللہ کا وعدہ ہے۔“

”نس ایگین ایم سوری مئی میں مذاق کر رہا تھا۔ اچھا اب مجھے بتائیں میں آپکے اس خراب موڈ اور غصے کو اچھے خوشگوار انداز میں کیسے تبدیل کر سکتا ہوں۔“

”ایک دفعہ اُسکے ساتھ فون پہ بات کر لو۔“

دوسری طرف تھوڑی دیر خاموشی چھائی۔۔۔ پھر بولا

”مجھے تو اُسکا نام بھی بھول گیا ہے۔“

”ضیثمہ نام ہے۔ دیکھو ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے۔ مسئلہ بھی کیا بچاری کی بد قسمتی۔ تم اگر محسوس کرو تو بہت بڑی خامی کہو گے۔ اور اگر واقعی تعلیم یافتہ ہو۔ اچھے بڑے کی تمیز کرنے والے ہو۔ پھر تو کوئی بڑی بات نہیں ہوگی۔“

”ایسی کہ بات ہے؟۔“

”ضیثمہ بیوہ ہے۔“

”اچھا۔۔“

بیوہ کا لفظ سننے ہی ایک چہرہ تصویر کی سکرین پر روشن ہوا۔ لب بچھینچ گئے۔ ریلنگ پر گرفت مضبوط ہو گئی۔ وہ سُن رہا تھا۔ تہمینہ بول رہی تھیں۔

”دو سال پہلے اُسکی اپنے تایا کے بیٹے کے ساتھ نکاح ہوا تھا۔ جو صرف چھ ماہ چل سکا۔ اُسکے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ کوئی بچہ نہیں ہے۔ میں نے جب اُسکو دیکھا مجھے لگا کالج یا یونیورسٹی کی سٹوڈنٹ ہے۔ میری دوست ہے ناں۔ عندلیب اُسکے گھر پہ ملاقات ہوئی تھی۔“

اُسکے فرشتوں کو بھی عندلیب کا علم نہ تھا۔ مگر وہ کھوئے ہوئے ہوا سوں کے ساتھ بس سُن رہا تھا۔

”عندلیب کی بیٹی ضیثمہ کی دوست ہے۔ میں تو دوسرے ہی دن سیدھی اُسکے گھر چلی گئی۔ رشتہ ڈال کر آ گئی۔“

اگلے دن لڑکی کی بھابھی کا فون آیا۔ اس نے ساری بات بتائی۔ دودن تک تو میں بستر سے اٹل ہی نہیں سکی۔ قسمت کی بات جو لڑکی سیدھی دل میں آتری وہ پہنچ سے دور ہوتی دیکھائی دی۔ پھر میں نے سوچا یہ تو کوئی بات نہیں ہے۔ اتنی پیاری بااخلاق بچی ہے۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنا بڑا روگ لگ گیا۔ اس میں اس بچاری کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ یہی سوچ کر آج میں اسکے ساتھ تمہاری بات پکی کر آئی ہوں۔

”می اس عورت میں ایسا کیا تھا۔ اس کے بیوہ ہونے کے باوجود آپ اسکو بہو بنانے پر راضی ہو گئی ہیں۔ آپ فون کال کو چھوڑیں میری اسکے ساتھ ایک ملاقات رکھیں۔ آخر میں بھی تو دیکھوں کیسے لوگ میری ماں کو اس حد تک متاثر کر سکتے ہیں۔ میرے پہ تو ایک اعتبار تک نہیں کرتی ہیں۔“

”تم سچ کہہ رہے ہو۔ کیا واقعی اس سے ملنا چاہتے ہو؟۔“

”وائے نا۔۔۔؟ اگر آپ میری شادی اسی سے کروانے پر بضد ہیں۔ تو ملنے میں کیا حرج ہے۔ مگر ایک بات بتا دوں۔ اگر مجھے خاتون پسند نہ آئی تو میں صفا چٹ انکار کرونگا۔ پھر نہ مجھے قیس وعدے یاد کروائی پھر نیے گا۔ کل میں واپس آ رہا ہوں۔ فائز کو کہتا ہوں۔ پرسوں کا کوئی وقت آپکو بتا دئے گا۔“

”ٹھیک ہے بزنس مین صاحب۔۔۔“

”خاک بزنس مین ہوں۔ ماں کے ہاتھوں جب چاہے بینڈج جاتی ہے۔ آپکی پسند سے ملنے پر راضی ہوں۔ اب تو آپ خوش ہیں۔“

”ہاں بھئی میں بڑی خوش ہوں۔ تمہاری پہلی ساری خطائیں معاف۔۔۔“

غازن کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔



وہ اپنے سوٹ کے صوفے پر آنکھوں پہ کشن رکھے چت لیٹا ہوا تھا۔ جب فائز کمرے میں داخل ہوا۔ آنکھوں میں واضح حیرت تھی۔

غازن کے سوٹ کی جیکٹ لاپرواہی سے دوسرے صوفے پہ پڑی تھی۔ ٹائی نیچے کارپٹ پہ گری ہوئی تھی۔ اسکی سفید بے داغ شرٹ کے کف فولد ہوئے تھے۔ سٹیل کے چین والی گھڑی کے ڈائل پہ دن کے ڈھائی بج

رہے تھے۔ اور وہ پیٹ پہ دونوں ہاتھ باندھے بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

فائز کے چہرے پہ حیرت کی جگہ پریشانی نے لی۔ کیونکہ اسکا ورک کو ہلکے باس کبھی ایک بل بھی کام کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

فائز کو سمجھ نہ آئی۔ آیا کچھ بولے یا اسی طرح خاموشی سے کھڑا رہے۔ اسکی مشکل غازن کے سوال نے حل کر دی تھی۔ جو بڑی ٹھہری آواز میں پوچھ رہا تھا۔

”جب تم نے اسکا انٹرویو لیا تھا۔ اسکے چہرے کے تاثرات کیا تھے؟۔“

”جی سر۔۔؟“

”اسکا چہرہ قریب سے دیکھنے میں کیا لگتا ہے؟ آداس یا خوش؟۔“

”سر میں نے انکو غور سے دیکھا نہیں ہے۔۔۔“

”اسکا نام کیا ہے؟۔“

”کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔۔۔“

”تو تم نہیں بتاؤ گے؟۔“

”مجھے معاف کر دیں۔ مگر آپ نے مجھے ہدایت کر رکھی ہے۔ کہ میں کسی بھی صورت آپکو انکا نام اور گھر کا پتہ

نہیں بتاؤں۔“

”اور اگر کبھی میں سیدھا اسکے دفتر چلا گیا تو؟۔“

”وہ آپکو وہاں نہیں ملیں گی۔“

”کچھ بل بعد غازن نے اگلا سوال کیا۔“

”کیا اسکی شادی ہو گئی ہے؟۔“

فائز نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

”نہیں سر۔۔۔“

”کچھ دیر تک غازن بالکل خاموش رہا۔ پھر چہرے سے کُشن نیچے پھینک کر اٹھ بیٹھا۔ فائز نے دیکھا غازن کی

آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ تب اُس پہ کھلا وہ لڑکی خازن پہ کتنا گہرا اثر رکھتی تھی۔

وہ اپنی آنکھیں مسلتے ہوئے فائز سے پوچھنے لگا۔

”کیا تمہارے پاس سردرد کی دوا ہے؟“

”میں منگوادیتا ہوں۔“

فائز نے انٹرکام پہ پیغام چھوڑ دیا۔

”ہاں پلیز کیونکہ مجھے لگ رہا ہے۔ میرا سر پھٹ جائے گا۔“

”میں نے پیغام چھوڑا ہے۔ کچھ دیر تک روم سروس دوا دے جائیگی۔“

”سرایک ضروری سوال پوچھنا تھا؟۔“

”پوچھو۔“

”واپسی کی ٹکٹ اس ہفتے کی رکھوں یا اگلے ہفتے کی ہی رہے؟۔“

”یہ سوال تم یقیناً مئی کی کال کے تناظر میں پوچھ رہے ہو۔“

”جی سر۔“

”فائز میں ایک بات سوچ رہا ہوں؟۔“

”کیا سر؟۔“

”اگر۔۔۔ میں اُس سے شادی کر لیتا ہوں تو کیا میرے گناہ کا ازالا ہو جائے گا؟۔“

فائز کے سمجھ نہ آیا اس سوال کا کیا جواب بنتا ہے۔ بڑی مشکل سے بولا۔۔۔

”سر می آپ کے لیے لڑکی پسند کر چکی ہیں۔“

”یہ سارا مسئلہ اسی کال کے بعد ہی تو ہوا ہے۔ جب سے می کی پسند سے ملنے کی ہامی بھری ہے۔ وہ احمد کے

افس والی لڑکی میرے زمین سے نہیں بکل رہی۔ یا یہ عجیب مصیبت ہے۔ یعنی اگر میں اپنی ماں کو راضی کرنے

کے لیے شادی کر بھی لیتا ہوں۔ تب بھی مجھے سکون نہیں ملنے والا۔ کیا میرا گناہ اتنا ہی عظیم ہے؟ یا کہ میں بہت

زیادہ آور تھننگ کر رہا ہوں۔“

دروازے پہ دستک ہوئی۔ فائز نے دروازہ کھولا سامنے بیراڑے لیے کھڑا تھا۔ فائز نے وہیں ٹپ دیکر اُسے فارغ کر دیا۔ خود ڈرے لیکر دروازہ بند کیا۔

فائز نے گلاس پانی کا بھر کر گولیوں سمیت غازن کے حوالے کیا۔

اُس نے چُپ چاپ دونوں گولیاں نگل لیں۔

”کبھی کبھی مجھے لگتا ہے۔ میرا دشمن باہر نہیں ہے۔ بلکہ میرے اندر چھپ کر بیٹھا ہوا ہے۔ اور ایک دن مجھے ختم کر دے گا۔“

وہ ویران نظروں سے کھڑکی سے باہر کی متحرک دنیا کو دیکھ رہا تھا۔ اور فائز لب بھینچے اپنے باس کو دیکھ رہا تھا۔

”کیا ہم کل واپس جاسکتے ہیں؟۔۔“

”ایک میسنگ باقی ہے۔ کل تو نہیں مگر پرسوں کا چانس بن سکتا ہے۔“

”ٹھیک ہے پھر پرسوں کے ٹکٹ کروالو۔“

”جیسے آپ کی مرضی۔۔“

فائز اپنے فون پہ مصروف ہو گیا۔ جبکہ وہ ابھی تک کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ پھر اچانک پوچھنے لگا۔

”کیا وہ باقاعدگی سے دفتر آتی ہے؟۔۔“

فائز اُسکا دانتیاں بازو ایسے ہی مشہور نہیں تھا۔ فوراً جان گیا کہ غازن آخر کس کی بابت پوچھ رہا ہے۔ گلا صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

”جی سر۔۔۔“

”کیا اسکو لینے لے جانے والی سواری کا انتظام کیا ہوا ہے؟۔۔“

”جی سر پہلے دن سے ہی پک اینڈ ڈراپ کی سہولت دی ہے۔“

”فائز میں جب تک اپنے مسائل حل نہیں کر لیتا۔ مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔ ابھی تو میں اکیلا ہوں۔ اسلیے متاثر بھی صرف میں ہوں۔ اگر شادی شدہ ہوتا تو خود سوچو میرے ساتھ مزید کتنے لوگ مسلسل پریشان رہتے۔“

”سر ضروری تو نہیں کہ ایسا ہو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ شادی کے بعد آپ نئی زندگی کی مصروفیات میں پڑانی

”مجھنیں بھول جائیں۔“

”فائز جو بات تم بھول رہے ہو وہ یہ کہ اُلجھنوں سے نکلا جاسکتا ہے۔ مگر گناہ کے بعد ضمیر کی مار سے بچا نہیں جاسکتا۔“
”سرجو ہوا وہ ایک حادثہ تھا۔ اور آپ کو وہ حادثہ بھلا کر آگے بڑھ جانا چاہیے۔“
”حادثات کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے فائز۔۔۔ کچھ حادثے زندگی بھر آپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ نہ اُنکو بھلایا جاسکتا ہے۔ نہ مٹایا جاسکتا ہے۔ خیر تم جا کر آرام کرو۔ کل ملتے ہیں۔ میں آج جلدی سونے کے موڈ میں ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ لمبی نیند لینے سے میرے حواس کچھ قابو میں آجائیں۔“

”جی سر۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔“

”اللہ حافظ اور دیکھو کل مجھے یاد کروا دینا۔ بچوں بچوں کے لیے شاپنگ کرنی ہے۔ میرے فون پہ کوئی سو فرمائیں آئی ہوئی ہیں۔“
فائز دھیرے سے مسکرایا۔

”سربے فکر ہیں۔۔۔ ہر لٹ کی ایک کاپی مجھے بھی موصول ہو چکی ہے۔“

خازن اپنے بھانجے بھانجیوں کی اداپردہ کھل کے ہنسا۔
جو ہر دفعہ اُسکے فارن ٹور پہ اسی طرح فرمائشوں کی بھرمار کرتے تھے۔

☆.....☆.....☆

”دیکھو جا تو رہے ہو۔ پردھیان رکھنا ضمیمہ کے ساتھ اپنے مخصوص روڈ اور ایرو گینٹ انداز میں بات مت کرنا۔ بڑی حساس سی لگتی ہے۔ تمہیں پسند نہ آئے تو کوئی بات نہیں نہ کرنا شادی۔ پردا سکی دل آزاری کا باعث بالکل مت بننا۔“

اُس نے آنکھیں گھمائیں۔۔۔

”مئی آپکی باتوں سے یہی ثابت ہو رہا ہے۔ جیسے میں کوئی بندے کھانے والی بلا ہوں۔ کل رات سے اب تک کوئی ڈھائی سو مرتبہ آپ یہی بات دہرا چکی ہیں۔ اگر وہ اتنی ہی نازک ہے۔ میرے ساتھ دوپہل گزرنے سے ہی ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ تو بتا دیں میں جاتا ہی نہیں ہوں۔“

وہ تپ کر بولا تو تہمینہ کو احساس ہوا۔ شانہ ز یادتی کر رہی ہیں۔

”اچھا سوری۔۔۔ پر کیا یہ ممکن نہیں ہے۔ میں بھی اس ڈیٹ پہ تمہارے ساتھ چلوں۔“

اب کی بار خراب موڈ کے باوجود وہ کھل کر ہنسا۔

مئی کی پیشانی پہ بوسہ لیا۔ اور دھیمے سے بولا۔۔

”ٹرسٹ می۔۔ کوئی آلتاسیدہ سوال نہیں کرونگا بس۔۔۔!“

”اندر جا کر اُسکے بھائی اور والد کو بھی مل کر آنا۔“

”اور کچھ۔۔؟“

”کچھ گفتگو میں نے گاڑی میں رکھوا دئے ہیں۔ وہ نکل کر اُنکو دئے دینا۔“

”یاد رہا تو دئے دونگا گاڑیک۔۔۔!! مئی میں لڑکی سے ملنے جا رہا ہوں۔ یا کسی جنگی محاذ پر۔۔۔؟۔۔ تم ہی انکو کچھ سمجھاؤ۔“

اُس نے دانیدہ کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔۔

”اپیریٹلی۔۔۔۔۔ جہاں تمہاری بات آجائے مئی کبھی کسی اور کی بات پر یقین نہیں کرتی ہیں۔ اور اب ٹیشمہ دوسرا

ایسا فرد ثابت ہوئی ہے۔ جس کے حوالے سے کسی اور کو لب کُشتانی کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔“

”چلوگ ہی مگی۔۔۔“

وہ باہر نکل آیا۔ مئی وہیں دروازے میں رُک کر اُسکو جاتے دیکھ رہی تھیں۔

نیوی بیلوسلم فٹ فارمل سوٹ بغیر ٹائی کے لائٹ پنک شرٹ براؤن بیلٹ اور براؤن ہی ڈریس شوز اپنے دراز قد اور چوڑے شانوں کے ساتھ خیموں میں بسا اُسکا وجود خاصہ جج رہا تھا۔

ریمورٹ کی سے اپنی سفید بی ایم ڈبلیو ایکس فائو ایم کالاک کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

چومکیدار نے اُسکو اندر سے آتے دیکھ کر ہی گیٹ کھول دیا تھا۔

انجن سٹارٹ کر کے آنکھوں پر ڈارک شیڈز رکھنے سے پہلے اُس نے اپنی سائیڈ کاشیشہ نیچے کر کے تہمینہ کو ہاتھ ہلایا۔ جواب میں اُنکی مسکراہٹ دیکھ کر گاڑی آگے بڑھادی۔

وہ جانتا تھا۔ دانیہ اب تک اپنے فون پہ مصروف ہو چکی ہوگی۔ آخر باقی تین بہنوں کو بھی تو اپ ڈیٹ کرنا تھا۔ جن کے کئی میسجز غازن کے اپنے فون پر آپکے تھے۔

گیٹ سے نکلتے ہی اُس نے گاڑی اگلے گنیر میں ڈالی اور سپیڈ بڑھادی۔ ساتھ ہی ایک نظر اپنی ریٹ وایج پہ ڈالی۔ یہ کام زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں مکمل کر کے لچ آورز کے بعد اسکو آفس کا رخ کرنا تھا۔ می کو ظہال مطمئن کرنے کے لیے یہ فرضی سی کاروائی پانے پر تیار ہوا تھا۔ کیونکہ اگر ویسے ہی انکار کر دیتا اُس صورت میں انکار کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی تھی۔ می کاموڈایا نہیں لگ رہا تھا کہ اس دفعہ وہ کسی قسم کی رعایت کریں گی۔

وہ رات ہی سوچ بچکا تھا۔ ملاقات کے بعد آکر کہہ دیا لڑکی پسند نہیں آئی۔ اور جب تک می کوئی اور لڑکی پسند کریں گی۔ اسکو تھوڑا وقت مل جائے گا۔



”پھوپھو می کہہ رہی ہیں۔ اگر آپ تیار ہیں تو باہر آجائیں۔“

وہ پہلے ہی بہت جھجھک رہی تھی۔ اپنے جوان ہوتے بھتیجے بھتیجی سے بچ کر تیار ہونے کے باوجود اندر کمرے میں ہی چھپی بیٹھی تھی۔ دانیال نے دروازے پہ دستک دیکر سر اندر نکالا۔۔۔

اپنی پھوپھی کا بغور جائزہ لیا۔ اور اندر آگیا۔

وہ سمٹی سی بیڈ کے کنارے پہنچی ہوئی تھی۔ وہ اُسکے برابر بیٹھا اور اپنا بازو میٹھمے کے کندھے پہ پھیلا لیا۔

تیاری کے نام پر صرف لباس بدل کر تازہ چوٹی بنائی ہوئی تھی۔ کھڑی کا گرتا رڈ آؤزر ساتھ میں ناؤک سے ہم رنگ بند جوتے۔۔۔۔

”پھوپھو میں سوچ رہا تھا۔ انسانی زندگی بھی درختوں کی طرح ہے۔ بہار آتی ہے۔ تو ہر شاخ پہ ہرے پتے نکل آتے ہیں۔ خوش رنگ پھول کھلتے ہیں۔ اور جب خزاں آتی ہے۔ سارے پھول مڑ جھا کر شاخوں سے گر جاتے ہیں۔ آپ پہچان ہی نہیں پاتے آیا یہ وہی درخت ہے۔ جس نے ساری گرمیاں گھنی چھاؤں دی تھی۔ اب کیسے کم لایا سانگہ ہوا کھڑا ہے۔ ابھی جیسے ہم اپنے باغ کا حال دیکھیں تو دل مانتا ہی نہیں کہ یہ سارے درخت بہار کے آتے ہی سرسبز و شاداب ہو جانے ہیں۔ بلکہ انکی ویرانی دیکھ کر ایسا لگتا ہے۔ اب ان کے اندر زندگی کی رمت بچی ہی نہیں

ہے۔ آپ کو میری بات آؤٹ آف کانٹینٹ لگ رہی ہوگی۔ مگر پودوں کو کیوں میں نے انسانوں سے ملایا ہے۔ اس کی وجہ آپ کو بتاؤنگا مگر ابھی نہیں۔ ابھی وہ جو ایک عورت آتی ہیں۔ جو آپ کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں۔ انکا بیٹا آیا ہوا ہے۔ اس لیے امی آپ کو بلا رہی ہیں۔

ضیثمہ نے ہونٹ کاٹتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

دانیال پندرہ سال کا ہو رہا تھا۔ قد میں ضیثمہ سے دو چار انچ لمبا ہو چکا تھا۔ دانیال سے پانچ سال چھوٹی صبا تھی۔ جو اس وقت ڈرائیونگ روم کے دروازے میں کھڑی ہو کر باقاعدہ رو رہی تھی۔

”امی میں آپ کو وارن کر رہی ہوں۔ ضوٹا پھوپھی بالکل بھی ان گندے انکل کے ساتھ نہیں جائیں گی۔“

فرحین بھابھی نے ایک شرمندہ سی نظر خازن پہ ڈالی جو انتہائی بے آرام معلوم ہو رہا تھا۔

”خازن میں معذرت چاہتی ہوں۔ پلیر تم صبا کی باتوں کا برا نہ منانا۔“

ایک بڑی پرتکلف سی کھینچ کھانچ کر جھوٹی مسکراہٹ چہرے پہ سجا کر اس نے گھڑی پہ ایک اور نظر ڈالی۔ انداز بتانے والا تھا۔ تب ہی دانیال کی سنگت میں وہ کمرے میں داخل ہوئی۔

ایک بے اختیار اٹھی نظر جھکنا بھول گئی۔ ماتھے پہ ایک عادی توری آئی۔ بڑے نامحسوس انداز میں اپنے سیدھے ہاتھ سے اُلٹے ہاتھ کی پشت پر زور کی چٹکی کاٹی۔ تو علم ہوا۔ یہ خواب ہرگز نہیں ہے۔ وہ حقیقت میں اُسکے سامنے کھڑی تھی۔

چہرے پہ ساری بیزاری کی جگہ بخیدگی نے لے لی۔ ماتھے پہ اتنے سرد موسم کے باوجود پسینے کے قطرے چمک گئے۔ یہ تو شکر ہوا۔ فرحین اور دانیال صبا کی جانب متوجہ ہو گئے۔ جواب اور بھی نڈر ہو کر خازن کو گندا 'اجنبی' جو رول رہی تھی۔ جو اُنکے گھر اُسکی پیاری پھوپھی کو چڑانے کے لیے آیا تھا۔

”چلیں۔۔؟۔۔“

ضیثمہ کے پوچھنے پر وہ ہوش میں آیا۔ اور جلدی سے اٹھ کر باہر کو چل پڑا۔

وہ اُسکی کیفیت پر حیران تو ہوئی مگر بھابھی کے اشارہ کرنے پر اس کے پیچھے چلی آئی۔ جہاں وہ گاڑی کا فرنٹ پینجر سیٹ کا دروازہ وا کئے اُسکے انتظار میں کھڑا ہونے کے باوجود نظریں پُچارا تھا۔ بلکہ یہاں سے بھاگنے کا

سوج رہا تھا۔

ضیثمہ کے بیٹھتے ہی اس نے دروازہ بند کیا۔ اور گھوم کر دوسری جانب سے آکر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔۔۔ چابی اس کے ہاتھ میں تھی۔ سواری برابر میں موجود تھی۔ اور وہ اڑی ہوئی رنگت لیے کار سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔ ضیثمہ منتظر رہی کہ وہ گاڑی سٹارٹ کرے گا۔ پھر ایسا لگا کہ وہ کسی بھی لمحے اسکو گاڑی سے اتر جانے کا بولنے والا ہے۔ اندر سے صبا کے زور زور سے رونے کی آواز آرہی تھی۔ بل آخر اسکو کہنا پڑا۔

”اگر آپ چاہیں تو ہم اندر بیٹھ کر بھی بات کر سکتے ہیں۔ کہیں باہر جانا کوئی ضروری تو نہیں ہے۔“

”اندر آپکی کچھ بھی میرا سر بھاڑ دیگی۔“

وہ کہنا نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر منہ سے نکل گیا۔

”صبا تشدد پسند بالکل بھی نہیں ہے۔“

”چلیں تشدد نہ ہی شدت پسند تو ہے ہی۔“

ضیثمہ کو سمجھ نہ آیا اس بات پہ کیا کہے۔ مگر بولی۔۔۔

”دیکھیے اگر آپ یہ سوچ کر پریشان ہیں کہ آپکی شادی مجھ سے ہو رہی ہے۔ تو بے فکر ہو جائیں۔ میں نے ابھی

تک اپنے والد صاحب کے سامنے اس رشتے کے لیے ہاں نہیں کی ہے۔“

”مگر میری والدہ تو بات لانے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔“

”آپ کی والدہ انتہائی پُر غلوں خاتون ہیں۔ وہ جب پہلی دفعہ ہمارے گھر آئی تھیں۔ تو وہ اس بات سے بے

خبر تھیں۔ میں بیوہ ہوں۔ اب شائد وہ میرا دل نہ توڑنے کے چکر میں آپ کے ساتھ زبردستی کر رہی ہیں۔“

”تو کیا اگر میں انکار کر دیتا ہوں۔ تو آپکا دل نہیں ٹوٹے گا؟۔“

”ضیثمہ نے نفی میں سر ہلایا۔

”بالکل بھی نہیں۔“

دونوں کی نظریں سامنے لگی ہوئی تھیں۔ جہاں درخت کی شاخ پہ برڈ فیڈر لگا ہوا تھا۔ جس پہ دو کالی چڑیا بیٹھ کر

جنگ رہی تھیں۔

”کیا آپ گاڑی چلا سکتی ہیں؟۔“

اس نے غیر متوقع سوال پہ اس نے بے اختیار ہی گردن موڑ کر اپنے برابر میں بیٹھے اس اجنبی کو دیکھا۔ جو انتہائی الجھا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

”جی۔۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟۔“

”نیچے اتر کر اس طرف آئیں۔ پھر بتاتا ہوں۔“

وہ خود گاڑی سے نکل گیا۔ ضیثمہ اب جی بھر کہ حیران ہو رہی تھی۔

اس نے آکر ضیثمہ کا دروازہ کھولا اور چابی اس کی جانب بڑھادی۔

ناسمجھی سے دیکھتے ہوئے اس نے خازن کے ہاتھ سے چابی لے لی۔ گاڑی سے اتر کر دوسری جانب جا کر خازن کی چھوڑی ہوئی سیٹ پر جا بیٹھی۔۔

وہ بڑے تھکے ہوئے انداز میں اس کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ کسی گہری سوچ میں گم۔۔۔ ضیثمہ نے انجن سٹارٹ کیا ملازم کب کا دروازہ کھول کر کھڑا تھا۔ وہ گاڑی باہر لے آئی۔ اور بغیر کچھ سوچے کہ کہاں جانا ہے۔ خاموشی سے گاڑی چلاتی رہی۔

”ابھی آپ کو دیکھ کر میرے دل میں جو بات آ رہی ہے۔ اگر آپ بڑا ذمہ دار تو بتا دوں؟۔“

وہ اپنے خیالوں سے چونکا۔ سیدھا ہو کر بیٹھا۔ نظر ترچھی کر کے اس کو ایک پل کے لیے دیکھا۔ جو دونوں ہاتھ سیٹرنگ پہ جمائے پورے دھیان سے سامنے دیکھتے ہوئے بڑی رش والی جگہ سے گاڑی نکال رہی تھی۔

”بولیں۔۔۔“

ضیثمہ نے ایک سیکنڈ کو گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

”ایسا معلوم ہو رہا ہے۔ آپ کسی کو دل دے چکے ہیں۔ اب اپنی والدہ سے کہنے کی جرات نہیں ہے۔ اس لیے آجروے مجھروے سے نظر آرہے ہیں۔ کیونکہ آپ کو یقین سا ہو گیا ہے۔ وہ زبردستی آپ کی میرے ساتھ شادی کروادیں گی۔“

وہ دھیمے سے نہا۔۔۔

”میں ضیثمہ آئی وٹس میرا مسئلہ اس قدر غیر پیچیدہ ہوتا۔“

”کیا میں آپکی کوئی مدد کر سکتی ہوں۔ اگر یہ بتادوں میں آپ سے شادی نہیں کروں گی۔ کیا اس سے آپ کو تھوڑا حوصلہ ملے گا؟۔“

”آپ کیوں مجھ سے شادی نہیں کریں گی۔“

”کیونکہ میری شادی ہو چکی ہوئی ہے۔“

”کس سے؟۔“

”میرے مرحوم شوہر سعد سے۔“

”کیا محبت کی شادی تھی۔؟۔“

”ہاں بھی اور نہیں بھی۔“

”اسکا کیا مطلب ہوا۔“

”مطلب سعد نے مجھے پسند کیا۔ ابو سے رشتہ مانگا انہوں نے ہاں کر دی۔ شادی ہو گئی۔“

”پھر کیا ہوا۔؟۔“

”تقدیر کا وار۔۔۔ میں اسکو تقدیر کا وار اس لیے سمجھتی ہوں۔ آدمی کا لکھا شائد ہی پورا ہو۔ مگر جو اللہ نے لکھا ہے

۔ اس میں نہ جھوٹ ہے۔ نہ کوئی جھول۔ وہ پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔“

”اگر آپ نے شادی نہیں کرنی ہے۔ تو میری امی کو سیدھا انکار کیوں نہیں کیا۔“

”آپکی والدہ بہت ہی نفیس خاتون ہیں۔ اور اتنی محبت سے پیش آتی ہیں۔ انکا دل نہیں توڑنا چاہتی ہوں۔ نہ

ہی اپنے ابو جی کے لیے تکلیف کا باعث بننا چاہتی ہوں۔ بس انہی دو وجوہات کی بنا پر ابھی آپ کے ساتھ آئی ہوں

۔ ہم یونہی سڑکوں پر گھوم پھر کر واپس چلیں گے۔ جا کر میں اپنے گھر یہ کہہ دوں گی۔ آپ نے مجھے رجیکٹ کر دیا۔ آپ

اپنے گھر جا کر کہہ دیجئے گا۔ میں نے آپ کو رجیکٹ کر دیا۔ بس دی اینڈ۔۔۔“

”یعنی میں اتنا گھیا گڑھا ہوں۔ جسے دیکھے بغیر ہی آپ رجیکٹ کر رہی ہیں۔“

ضیثمہ کی نظریں سامنے سڑک پہ تھیں۔ اور وہ بڑے ریلیکس انداز میں بیٹھا اپنی جانب کی کھڑکی سے باہر دیکھ

رہا تھا۔

”آپ نے ایک گانا سنا ہے۔ جس کے بول ہیں۔ ایسا اکھیاں چپاواں کیوں کجلاوئے۔۔۔ اکھیاں چٹوٹوں
 ودا۔۔۔“

”نہیں میں نہیں جانتا ہوں کہ ایسا کوئی گانا بھی ہے۔ کس گلوکار کا ہے؟۔۔۔“
 ”پُرانی انڈیاں سکھ گلوکارہ کا ہے۔ جگانام سریندر کور ہے۔ مگر ریسٹنٹی اسکا ریمکس اونے لگی لگی اونے فلم میں
 ڈالا گیا تھا۔ مجھے بہت پسند ہے۔ اور آپ کے سوال کا جواب بھی اسی گانے کے پہلے بول ہیں۔“
 خازن نے جیب سے اپنا موبائل برآمد کیا۔ یوٹیوب آن کر کے بیلوٹھ کے ذریعے اپنی کار کے ساتھ کنیکٹ
 کیا۔ آواز اونچی کی تو گاڑی کے ساؤنڈ سسٹم میں گانے کا میوزک گونجنے لگا۔
 پھر اگانا سننے کے بعد خازن نے سیٹیر یوبند کر کے موبائل اپنے سامنے ڈیش بورڈ پہ رکھ دیا۔ اور بڑے عام
 سے انداز میں پوچھا۔

”مس شیشمرہ آپ کی آنکھوں میں کون بستر ہے؟۔۔۔“
 ”مسٹر خازن یہ بھی بھلا کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ آف کورس سعد کے علاوہ اور کون ہوگا۔“
 ”ٹیل می یو آر ناٹ ٹا کنگ اباؤنٹ یور ڈیڈ ہیبنڈ۔۔۔“
 ”یس آئی ایم ٹا کنگ اباؤنٹ ماتے ڈیڈ ہیبنڈ۔۔۔“
 ”ہاؤ از اٹ ایون پائسیبل وین ہی از ناٹ ایون اکیٹو۔۔۔“
 ”ہیونٹ یو میر ڈایری تھیگ از پائسیبل ان لو اینڈ وار۔۔۔“
 ”سو یو ٹل لو ہیمن؟۔۔۔“
 ”یس آئی ڈو۔۔۔“

”دین وٹ آروؤٹی ڈوینگ میر۔۔۔؟۔۔۔“
 ”آئی گس ووئی آر جٹ ٹا ایگ ٹو بی ٹائیس ٹو آور فیمیلز۔۔۔“
 خازن نے بھوئیں اچکائے آیا بات تو یہی سچ تھی۔

”اگر آپ کا موڈ مزید سرد کوں پہ بلا مقصد گھومنے سے بھر گیا ہو۔ تو کیا میں ایک جگہ دیکھا سکتی ہوں۔“

”کیوں نہیں۔ میں گھر سے یہ سوچ کر آیا تھا۔ مجھے آپ کے ساتھ جلدی جلدی لٹچ کر کے واپس بھاگنا ہے۔
 مگر میں بھاگ نہیں پار ہوں۔“
 گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ نہر پہ آکر پل سے اترتے ہی اس نے موڑ کاٹا۔ اب گاڑی نہر کے کنارے
 کنارے بھاگ رہی تھی۔
 ”آپ گاڑی اچھی چلا لیتی ہیں۔“
 ”تھینک یو۔۔۔ آپکی گاڑی چلانے کا مجھے مزہ آ رہا ہے۔ بڑی ہموار قسم کی ڈرائیو ہے۔ چھوٹا موٹا کھڈا تو محسوس
 ہی نہیں ہوتا۔“
 ”آپ کو پسند آتی؟۔۔۔“
 ”ہاں یہی تو کہہ رہی ہوں۔“
 ”چلیں پھر آج سے یہ گاڑی آپکی۔۔۔“
 ”میشمرہ کی ہنسی نکل گئی۔
 ”اچھا مذاق ہے۔“
 ”مذاق نہیں ہے۔“
 ”جو بھی ہے۔ مجھے ہنسا ضرور گیا ہے۔“
 ”کیوں کیا آپ عام طور پہ ہنستی نہیں ہیں۔“
 ”بہت کم۔۔۔“
 ”کیا ایسا سعد کہ وجہ سے ہے؟“
 ”ہاں بھی نہیں بھی۔۔۔“
 ”اب اسکا کیا مطلب لوں۔۔۔“
 ”اسکا یہ مطلب ہے۔ میں شروع سے تھوڑی کم گو ہوں۔“
 ”مجھے تو ایسا محسوس نہیں ہوا۔“

”ہاں کیونکہ اب میں کافی بدل گئی ہوں۔ بلکہ خود کو بدلا ہے۔“

”کوئی خاص وجہ۔۔۔“

”ہاں۔۔“

”کیا۔۔؟۔۔“

”پہلے میری خاموشی پر کوئی سوال نہیں اٹھتا تھا۔ اگر سارا دن بھی نہ بولوں تو کوئی برا نہیں مناتا تھا۔ سب کو پتا تھا۔ میری عادت ہی ایسی ہے۔ مگر سعد کے جانے کے بعد سب کا سارا دھیان میری طرف ہو گیا ہے۔ ابو کے سامنے پانچ منٹ سے زیادہ خاموش بیٹھی رہوں۔ تو وہ بلند پریش کی دوا زیادہ مقدار میں لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ بھائی خاموش دیکھ لیں تو آدھا دن مختلف طریقوں سے مجھے بہلانے کے چکر میں لگ جاتے ہیں۔ وہ سب جیسے یہ بات بھول چکے ہیں۔ میں ہمیشہ سے کم گو تھی۔ اب ان گزرے دو سالوں کے اندر میں جتنا بولی ہوں۔ ساری زندگی نہیں بولی ہوئی۔“

گاڑی ایک بڑی سی چار دیواری کے باہر رک گئی۔

”اگر تو یہ قبر تھا ہے۔ میں ہر گز بھی آپ کے ساتھ یہاں نہیں جاؤنگا۔“

گاڑی کا آئینہ بند کرتے ہوئے ضیثمہ نے تعجب سے گردن موڑ کر خازن کے چہرے کو دیکھا۔ جو پچھلے پورے گھنٹے سے لیکر اب تک پہلی دفعہ اُسکی آنکھوں میں دیکھ کر بات کر رہا تھا۔ لب دانتوں میں دبا کر ضیثمہ نے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

”آپ تو انتہائی ڈرپوک انسان واقع ہوئے ہیں۔“

”جو مرضی سمجھتی پھریں۔ میں نے کونسا آپ سے شادی کرنی ہے۔“

اب کی بار ضیثمہ کا قہقہہ بلند ہوا۔

خازن نے جان بوجھ کر اُسکی جانب نہیں دیکھا۔

”نیچے آجائیں۔ یہ کوئی قبر تھا نہیں ہے۔ بلکہ بڑے مزے کی جگہ ہے۔ آئیں آپ کو لاہور کے بیسٹ نان رول کھلاتی ہوں۔“

وہ گاڑی سے تو نکل آیا۔ مگر چہرے پہ صاف لکھا تھا۔ خوشی سے نہیں آیا۔

گیٹ پارک کے اندر آئے۔ بہت بڑا احاطہ تھا۔ جس میں ہریالی ہی ہریالی تھی۔ بہت سارے لوگ گاڑ ٹنگ ٹول اٹھائے۔ یہاں وہاں آ جا رہے تھے۔

”آپ بتانا پسند کریں گی کہ ہم کہاں موجود ہیں۔“

اُس سے ایک دو قدم آگے چلتی ضمیمہ رُکی۔ اپنا آئینہ سر پہ برابر کیا۔ اور بولی۔

”اس جگہ کا نام پبلک فارم ہاؤس ہے۔ اصل میں یہ ایک کسان کی زمین ہے۔ جو کہ اب آبادی میں آگئی ہوئی ہے۔ جن لوگوں کو گاڑ ٹنگ کا شوق ہے۔ مگر اپنے گھروں میں اتنی جگہ نہیں رکھتے جہاں اپنا شوق پورا کر سکیں۔ وہ لوگ ادھر جگہ کرائے پہ لیکر سبزیاں وغیرہ لگاتے ہیں۔ مہینے کے حساب سے کرایہ دیا جاتا ہے۔ یہاں وہ سامنے دیکھ رہے ہیں۔ وہ ٹیوب ویل ہے۔ اسکے علاوہ نہری پانی بھی لگتا ہے۔“

”تو آپ بھی باغ بانی کا شوق رکھتی ہیں۔“

”کوئی ایسا وایسا۔ میں نے اپنی کیماریوں میں سردیوں کی ہر سبزی لگائی ہوئی ہے۔ اسکے علاوہ گرین ہاؤس میں سبز مرچ، ٹماٹر اور سلا بیریز بھی آگائی ہیں۔“

”یہ شوق اپنے گھر پہ کیوں نہیں پورا کیا اتنی دور آ کر کیوں۔۔“

”گھر پہ اگر آپ نے غور کیا ہو۔ صرف درخت موجود ہیں۔ وہ بھی بس دو تین۔ بھابھی نے بھائی سے بول کر باقی سارا فرش ماربل کروا دیا ہے۔ بہت سال پہلے سے میں یہاں آتی ہوں۔ سعد کے ایک دوست نے ہمیں اس جگہ کے بارے میں بتایا تھا۔“

بتانے کے ساتھ ساتھ پگڈنڈی پر احتیاط سے چلتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ اور وہ اُس کا ساتھ دینے پر مجبور تھا۔

”اسلام وعلیکم ضمیمہ جی آپ کیسی ہیں؟۔۔“

”وعلیکم اسلام فلک شیر صاحب میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں۔“

”میں تو آئے دن ہوں۔ آج آپ دوپہر کے وقت نظر آ رہی ہیں۔ کوئی خاص وجہ۔۔؟ کیونکہ عام طور پر تو آپ یا صبح کے وقت آتی ہیں۔ یا شام میں۔“

”نہیں کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ اصل میں یہ خازن ایاز صاحب ہیں۔ ہمارے فیملی فرینڈ بس انہی کو اپنی سبزیاں دیکھانے آئی ہوں۔“

”ادا چھا اچھا۔۔۔۔۔“

فلک شیر نے سر تاپا خازن کا جائزہ لیتے ہوئے۔ بظاہر مسکراہٹ کو قائم رکھا۔ ہاتھ مصافحے کے لیے بھی بڑھایا۔ مگر انداز میں ناپہنیدگی تھی۔

خازن نے اپنا سیدھا ہاتھ جیب سے نکال کر مصافحہ کیا۔ فلک شیر اس کو چوبیس پچیس سال کا نوجوان معلوم ہوا۔

”ہیلو فلک شیر صاحب۔۔۔۔۔“

”ہیلو جی۔۔۔ آپ کہ شکل جانی پہچانی سی محسوس ہو رہی ہے۔ کیا میں نے آپ کو نہیں دیکھا ہے؟۔“

”میرا خیال ہے۔ نہیں آپ نے کسی اور کو دیکھا ہوگا۔ جو میرا ہم شکل ہو۔“

”ارے یاد آیا۔۔۔ آپ تو وہ ہیں۔ خازن ایاز مشہور ڈرامہ اور فلم ہڈ ڈیوسر۔۔۔۔۔“

”جی ٹھیک پہچانا۔۔۔“

”سر آپ کی پروڈکشن کے انڈر بننے والے سارے ڈرامے ہی لا جواب ہوتے ہیں۔“

”تھینک یو۔۔۔ مگر اس میں مجھ سے زیادہ میری ٹیم کا ہاتھ ہے۔ خاص کر ڈائریکٹر زکا۔ میں تو بس پیسہ لگاتا ہوں۔“

”کیا آپ کے ساتھ ایک سیلفی لے سکتا ہوں۔“

”کیوں نہیں۔۔۔ آپ میٹھمہ کے دوست ہیں۔ اس ناتے سے تو گروپ سیلفی بنتی ہے۔“

فلک شیر کے چہرے کی مسکراہٹ اور بڑی ہو گئی۔ اس نے اپنی جیب سے اپنا فون برآمد کیا۔ جسے خازن نے تھام لیا۔ اور میٹھمہ کے قریب ہوا۔ درمیان میں وہ کھڑی تھی۔ ایک طرف خازن جو کہ خاصہ قریب تھا۔ جبکہ فلک شیر جھجکتا سا تھوڑے فاصلے پر کھڑا تھا۔ خازن نے دو تصویریں کیچجر کر کے فون شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا۔

فلک شیر واپس جا رہا تھا۔ جب میٹھمہ کی آواز پہنچا۔

”اگر تکلیف نہ ہو۔ تو جاتے ہوئے روڈ والے چاچا سے کہہ دیجئے گا۔ چار رول اور تین بوتلیں ادھر بھیجوا دیں۔“

”ابھی بول دیتا ہوں۔“

”یہ بھی یاد رہے۔ میرا بل آپ نہیں دیں گے۔“

”آج تو آپ منع کریں ہی نہ آج کے رول خاص خازن صاحب کے لیے ہونگے۔“

”خازن صاحب آج میرے مہمان ہیں۔ اگلی دفعہ آپ ان کو اپنے برتھ ڈے پہ انوائٹ کچنگا اور جی بھر کر خدمت کرنا۔ پر آج نہیں۔“

وہ چلی تو وہ بھی چوری چوری نظروں سے اُسکا جائزہ لیتا ہوا۔ ساتھ دینے لگا۔

اپنی کیماریوں کے پاس پہنچ کر ضیثمہ نے بازو کھول کا کر فخر سے کہا۔۔

”یہ میری سبزیاں ہیں۔ زرا بو تھیں کون کون سی ہیں۔“

”آآآ ہارڈ ٹاسک۔۔ مگر میں کوشش کرتا ہوں۔“

وہ پنچوں کے بل کیماری کے قریب بیٹھ گیا۔ جبکہ ضیثمہ ٹیڈ کا دروازہ کھول کر اندر سے ایک فولڈ چئیر لے آئی۔

لا کر کھولنے کے بعد خازن کے قریب رکھ دی۔ جو بڑے غور سے کیماری کا جائزہ لے رہا تھا۔

”یہ دھنیا ہے۔ مگر اس کے درمیان اتنی جنگلی بوٹیاں کیوں اُگی ہوئی ہیں۔ آپ پیسٹا سائز استعمال کیا کریں۔“

”جناب عالی جس کو آپ جنگلی بوٹی کہہ رہے ہیں۔ وہ میری پالک ہے۔“

خازن خیف ہو کر مسکرایا۔۔۔ سورج سیدھا اُسکے چہرے پہ چمک رہا تھا۔

اُس نے دھنیے کی ایک ٹہنی توڑی اور اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

”یعنی میں پہلے ہی ٹیسٹ میں فیل ہوا ہوں۔“

”دل چھوٹا نہ کریں۔ ابھی بہت سے مواقعے ملیں گے۔“

”آپ کا دل جیتنے کے؟۔۔“

ضیثمہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔ مگر وہ کسی اور جانب متوجہ تھا۔ ضیثمہ نے بھی جواب نہ دیا۔

”آپ اگر بور ہو رہے ہیں۔ تو ہم کسی اور جگہ جاسکتے ہیں۔“

”نہیں بور تو نہیں ہو رہا ہوں۔ ویسے ہی عجیب سا لگ رہا ہے۔ میں نے تو کبھی گلے میں لگے پودوں کو پانی

تک نہیں دیا۔ آپ اتنا کچھ جانتی ہیں۔“

”یہاں آپکی اور میری مقابلہ بازی تھوڑی ہو رہی ہے۔“

”ہاں یہ بھی ہے۔ مگر عام طور پہ جن لوگوں کے ساتھ میں اٹھتا بیٹھتا ہوں۔ ہر زیر بحث موضوع پہ میری پوری گرفت ہوتی ہے۔ پہلی دفعہ خود کو آؤٹ آف پیس محسوس کر رہا ہوں۔“

”ضیثمہ کے ہاتھ میں ایک کھڑی تھی۔ لمبی لمبی ہری ٹہنیوں کے درمیان بیٹھ کر گوڈی کرنے لگی۔ خازن کو کم از کم وہ ہری ٹہنیاں ہی معلوم ہو رہی تھیں۔“

”مجھے امید ہے۔ آپ کو میرے گوڈی کرنے پر اعتراض نہیں ہوگا۔“

”میری اتنی جرات مگر لائیں زرا میں گوڈی کرتا ہوں۔“

اپنی جیکٹ اتار کر کرسی پر ڈالی۔ کف لنکس اتار کر جیب میں رکھے۔ اور کف اوپر کو فولڈ کر کے۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر بنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

ضیثمہ نے کھڑی اس کے سامنے رکھ دی۔

خازن نے اناڑی پن سے کھڑی اٹھائی اور پہلے ہی وار میں ایک جڑ نکال کر ننگی کر دی۔

پھر وہی جڑ پکڑ کر واپس مٹی میں چھپانے لگا۔

ضیثمہ کو اس کے انداز پہ ہنسی تو بہت آئی۔ مگر صرف مسکراتے پہ اکتفا کیا۔

”میں جانتا ہوں۔ دل ہی دل میں آپ قہقہے مار رہی ہیں۔“

ضیثمہ بولی۔۔

”کیپ اولن ٹرائیگ باؤ ہارڈ اٹ کنڈی؟۔۔“

”ابھی تو آپ نے مجھے اچانک سے گھیر لیا ہے۔ اگلی دفعہ میں اپنی پریکٹس کر کے آؤنگا۔ آپ کو جیتنے نہیں دوںگا۔“

”آپ کی بات سے ظاہر ہو رہا ہے۔ آپ انتہائی کمپیٹیٹیو ہیں۔ اسی لیے آج بزنس کے بے تاج بادشاہ ہیں۔“

”آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔“

”ویل میرے فون میں ایک ایپ ہے۔ گوگل۔۔۔ اسی سے معلوم ہوا۔“

”آپ کے بارے میں جاننے کے لیے کونسی ایپ ڈھونڈو۔۔؟۔۔“

”میرے بارے میں کوئی خاص یا اہم باتیں ہے ہی نہیں ہیں۔ اس لیے ایپ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“
 ”مگر جو آپ سے وابستہ عام فضول سی باتیں بھی جاننا چاہتا ہو۔ وہ کیسے جانے گا؟۔۔“
 ”اُس دیری سیمپل وہ مجھ سے جو پوچھنا چاہیں ایسے ہی پوچھ سکتے ہیں۔“
 ”آپ کتنے بہن بھائی ہیں؟۔۔“
 ”ہم دو بہن بھائی ہیں۔ تین تھے۔ مگر میری ایک بہن بچپن میں فوت ہو گئی تھی۔“
 ”سوری ٹو میریٹ۔۔ اگلا سوال۔۔۔“
 ”جی پوچھیں۔۔۔“
 وہ کھرپی سے ابھی بھی گڈی کرنے کی بھرپور کوشش جاری رکھے ہوئے تھا۔
 ”یہ آخر کیا بلا آگائی ہوئی ہے۔“
 ضمیمہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔
 ”اسکو پیاز کہتے ہیں۔“
 ”پیاز ایسے ہوتے ہیں؟۔۔“
 ”جی۔۔۔ ابھی انکو پوری طرح سے تیار ہونے میں کافی وقت درکار ہے۔ اس وقت گرین آنین کہہ سکتے ہیں۔“
 ”انٹرسنگ۔۔۔ کیا یہ سارا کا سارا پیاز ہی آگاہوا ہے؟۔۔“
 ”جی نہیں اس لائن تک پیاز ہے۔ اس کے آگے لہسن۔۔۔“
 لہسن کے آگے کس چیز کے پتے نظر آ رہے ہیں۔ ادھر سے تو وہ بھی دھنیہ ہی معلوم ہو رہا ہے۔
 ”جی نہیں وہ گاجر ہیں۔“
 ”اس کے ساتھ والی کمیاری میں یقیناً ساگ آگاہوا ہے۔“
 ”وہ مولیاں ہیں۔“
 ”مرگئے یا رکیا میں کوئی ایک سبزی بھی نہیں بوجھ سکتا۔“
 ”کوشش جاری رکھیں۔۔“

”مولیوں کے ساتھ پتا نہیں کوئی بلا ہے۔“
ضیثمہ کو اُسکے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ہنسی آگئی۔
”وہ ٹھگم ہیں۔“

”آپکی اور میری اگلی ملاقات میرے آفس میں ہوگی۔ وہاں میں آپ سے بزنس کے متعلق پیچیدہ سوالات پوچھوں گا تب مجھے سکون آئے گا۔“

”میں ابھی ہی آپکو بتا دیتی ہوں۔ بزنس کی الف ب سے بھی واقف نہیں ہوں۔“
”ایک ڈیل کرتے ہیں۔ میں آپکو بزنس سیکھا دوں گا۔ بدلے میں آپ مجھے باغبانی سیکھانے کو تیار ہیں؟“
”مجھے بزنس میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔ ہاں جو کچھ میں باغبانی کے بارے میں جانتی ہوں۔ وہ آپ کے ساتھ شیئر کرنے کو تیار ہوں۔“
”فیس کیالیں گی۔“

”آپکی امی کو شاید آپ پر زیادہ ہی یقین ہے۔ اُنکے خیال میں آپ انکی پسند کو رد نہیں کریں گے۔ یہ جانے بغیر ہی کہ آیا انکی پسند آپکو پاس کرتی بھی ہے یا نہیں۔ وہ مجھے ایک عدد ڈائمنڈ کے ساتھ ساتھ ایک خطیر رقم دیکر گئی ہیں۔“
”آپکی اتنی لمبی تمہید کا مقصد کیا لوں؟۔۔“

”آپ کی فیس یہی ہے۔ آپ مجھے ایک فیور دیتے ہوئے وہ چیزیں مجھ سے واپس لے جائیں۔“

”اگر میں ایسی کوئی فیور دینے کے موڈ میں نہ ہوں تو مطلب باغبانی کی کلاس گئی؟۔۔“

”نہیں پھر براہ راست آپکی والدہ کو بھیج دوں گی۔“

وہ جلدی سے بولا ---

”اُنکو دکھاؤ گا۔“

”مگر جب ہم شادی ہی نہیں کر رہے تو پھر دکھا کیسا؟۔۔“

وہ ٹھہر پی رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

”باغبانی کے علاوہ کیا شوق رکھتی ہیں؟۔۔“

”میری بھابھی کے مطابق مجھے گئے دنوں کی کھوج میں رونے کا بڑا شوق ہے۔“

”تو آپکو رونے کا شوق ہے؟“

”کبھی کبھی۔۔۔“

”پھر تو پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ میں نے کہیں پڑھا تھا۔ کبھی کبھی رولینا صحت مند روح کی علامت ہے۔“

”کاش میرے گھر کے افراد کی سوچ اس قدر پروگریسو ہوتی۔“

وہ کچھ کہنے کے ارادے میں تھا۔ مگر وہاں آنے والے لڑکے کی جانب متوجہ ہو گیا۔

”بابی آپکے رول۔۔۔“

جب تک وہ کُھر پئی رکھ کر کھڑی ہوتی۔ غازن اس لڑکے کو بل دینے کے بعد بڑے پکڑ رہا تھا۔

”غازن صاحب یہ زیادتی ہے۔ اصولی طور پر بل میں نے دینا تھا۔“

”ضیثمہ بل آپ دیں یا میں کیا فرق پڑتا ہے؟“

”فرق کیوں نہیں پڑتا؟۔۔۔“

”آپ بحث میں الجھا کر مجھے بھوکا رکھنا چاہتی ہیں؟۔۔۔“

”آپ اتنے بڑے بزنس مین ایویس نہیں بن گئے۔ اب مجھے آپکی چُھپی خصوصیات نظر آرہی ہیں۔“

وہ ہنسے ہوئے وہیں کیماری میں پیر ڈال کر بیٹھ گیا۔ بڑے سائیڈ پر رکھی۔ اور صاف ستھرے کاغذ میں پینا رول

اٹھایا۔

”یعنی میں اُمید رکھوں کہ اگر ہم آج کا سارا دن ایک ساتھ رہے۔ ہو سکتا ہے شام تک آپ کی نہ ہاں میں بدل

جائے۔“

ضیثمہ مُسکراتے ہوئے فاصلے پہ بیٹھ گئی۔

”آپ مذاق بہت اچھا کرتے ہیں۔“

”آپ کو ایسا لگتا ہے؟“

وہ اپنا رول اٹھاتے ہوئے بولی۔۔

”ہاں۔۔“

”پھر آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی۔ میں ایک انتہائی سنجیدہ انسان ہوں۔ بلکہ کسی حد تک سڑیل مشہور ہوں۔“
”مجھے تو آپ سڑیل نہیں لگے۔“

وہ جان بوجھ کر موضوع بدلتے ہوئے بولا۔

”یہ رول میری توقع سے بڑھ کر لنڈیز ہیں۔ مجھے اُمید نہیں تھی۔ یہ اتنے صاف اور مزے دار ہونگے۔“
”جناب اگر یہ رول کلاس کے نہ ہوتے تو میں آپ جیسی شخصیت کو ہرگز بھی رولز پیش نہ کرتی۔“
”میرے جیسی شخصیت سے آپ کا کیا مطلب ہے؟۔۔“

”الیٹ کلاس کی جانی بچانی شخصیت اور کہاں ہم مڈل کلاس والوں کے نان رول۔۔۔“
”آپ میری تعریف کر رہی ہیں۔ یا بے عزتی؟۔۔“
”نہ عزت نہ بے عزتی صرف ایک حقیقت۔۔“

”آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی میں ایک مڈل کلاس سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرے والد کی وفات کے بعد میں نے ایسے دن دیکھے ہیں۔ جب مجھے کوئی نوکری نہیں دیتا تھا۔ کم عمر‘ کم تجربہ‘ کم تعلیم یافتہ لڑکا کیا کرے گا۔ اس لیے شیشمہ یہ نان رول میرے لیے نئے نہیں ہیں۔ میرے بچپن کا حصہ ہیں۔“

وہ اس کی حیران آنکھوں میں دیکھ کر سنجیدہ آداس نظروں سمیت دھیرے سے مسکرایا۔ اور رخ بدل کر کولا پینے لگا۔

کتنی دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ وہ لاہرواہی سے ارد گرد دیکھ رہا تھا۔ اور وہ اُبھرنے سے کبھی اس کو دیکھتی کبھی ارد گرد۔۔۔

”شیشمہ اتنی حیرت کس بات پر؟۔۔“

”پتا نہیں شاید آپ کے اس طرح اپنا ماضی کا سٹیٹس بتانے پر کیونکہ لوگ تو اپنے سے وابستہ بڑے حالات کی داستان کسی کے سامنے بیان کرنا پسند نہیں کرتے۔ آپ نے تو اتنی آسانی سے مجھے بتا دیا۔“

”ہاں اس بات پر میں خود بھی حیران ہوں۔ کیونکہ میں انتہائی مغرور واقع ہوا ہوں۔ خود کو کمزور یا بے بس دیکھانے سے سخت نفرت ہے۔ تمہارے سامنے نہ جانے کیوں خود کو چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہا ہوں۔“

”اوہ۔۔۔۔۔ تم۔۔۔ آپ تو آپ سے تم پر ایک ہی حجت میں آگئے۔“

”ہاں یا رجب میری تمہاری شادی ہی نہیں ہونی تو اتنا فارمل ہو کر بات کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم نے کونسا ایک دوسرے کو ایمرپس کرنا ہے۔ آج کے بعد ہماری کبھی ملاقات بھی نہیں ہونی۔ کیا میرے ساتھ ڈنر پہ چلو گی؟“

”ڈنر؟۔۔“

ضیثمہ نے تعجب سے اسکو دیکھا جو اسکی جانب متوجہ بھی نہیں تھا۔

”ہاں ڈنر۔۔۔“

”خازن صاحب میرا نہیں خیال ڈنر کی ضرورت ہے۔ لنچ بھی آپکی جانب سے ہو گیا۔ یہی کافی ہے۔ ویسے بھی ہم اتنا سارا وقت ساتھ گزار کر اپنی فیملیز کی امیدیں ہی بڑھائیں گے۔“

”میرا نہیں خیال ایسا ہو گا۔ کیونکہ کم از کم وہ یہ تو نہیں کہیں گے۔ دو چار گھنٹے ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنے سے کسی کے بارے میں کیا پتا چلتا ہے۔ ہمیں دوبارہ ملاقات کے لیے کہا جاسکتا ہے۔ یقین مانو میری روٹین ایسی نہیں ہے۔ جس میں سے ہر دوسرے دن میں اتنا وقت نکال سکوں۔ اس لیے آج کا دن اگر برباد ہوا ہے تو کسی کام تو آئے۔ ہم کہہ دیں گے۔ ایک دن اور شام ایک دوسرے کی سنگت میں گزار کر ہمیں اندازہ ہو گیا ہے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے بڑے ہی غیر موضوع ہیں۔“

ضیثمہ سوچ میں پڑ گئی۔

”ایک ڈنر کے لیے اتنا کیا سوچنا۔ تم اپنے والد اور بھائی کی رضامندی سے ہی میرے ساتھ آتی ہوں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر ڈنر کے سلسلے میں تو بہت دیر ہو جائے گی۔ میں کبھی اتنی لیٹ باہر نہیں رہی ہوں۔“

”سعد کے ساتھ بھی نہیں؟۔۔“

”سعد کی تو اور بات تھی۔ وہ تو میرا محرم تھا۔“

کافی دیر تک دورانفتی میں دیکھنے کے بعد وہ دھیمی سے آواز میں بس اتنا بولا۔۔۔

”صحیح۔۔۔“

”اگر آپ چاہیں تو ڈنر میرے گھر پہنچنے کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ ابو کو آپ سے مل کر انتہائی خوشی ہوگی۔“

”اگر آج تم باہر میرے ساتھ ڈنر کرو۔ تو اگلا ڈنر تمہاری فیملی کے ساتھ جب تم چاہو۔ کم آن ضیثمہ مجھے ایک پراپر ڈیٹ کا موقع تو دو۔ راتو تم مجھے کچھ ہی ہو۔ پھر کیا مسئلہ ہے؟“

اگر اس وقت اسکو اسکی ماں بہن یا اُسکے پی اے میں سے کوئی فرد ایک لڑکی کے ساتھ ڈنر کے لیے یوں دلیس دیتے دیکھ لیتے تو ایک دفعہ شادی مرگ کی کیفیت ضرور ہوتی۔

آج تک لڑکیاں اسکو قائل کرتی رہی تھیں۔ آج پہلی دفعہ زندگی میں اسکو کسی لڑکی کے ساتھ وقت گزارنے کی چاہت محسوس ہوئی تھی۔ اپنے احباب کے نزدیک وہ ایک مشین تھا۔ ایک اور ایک کو ملا کر گیارہ بنانے والی مشین۔ اس وقت وہ یہ بھی بھول گیا تھا۔ وہ جب ضیثمہ سے ملنے کے لیے نکلا تھا۔ زیادہ سے زیادہ ایل گھنٹے میں واپسی کا پروگرام بنا کر نکلا تھا۔ اور اب دو گھنٹے گزر جانے کے بعد وہ شام تک اُسکے ساتھ رکنے کا بندوبست کر رہا تھا۔ ”مجھے نہیں پتا آپ کیوں اتنا اصرار کر رہے ہیں۔ مگر مجھے ہاں کرنے سے پہلے گھر پہنچنا کر اجازت لینا ہوگی۔“

”اپنے گھر کا نمبر بتاؤ۔۔“

وہ پینٹ کی جیب سے فون برآمد کرنے کے بعد ڈائلر کھول بھکا تھا۔

ضیثمہ نے لینڈ لائن کا نمبر بتا دیا۔

نمبر ملانے کے بعد اس نے فون ضیثمہ کے حوالے نہیں کیا۔ بلکہ اپنے کان سے لگا کر خود وہاں سے اٹھ کر ضیثمہ اور اپنے درمیان فاصلے کو مزید بڑھا گیا۔ وہ اسکو بات کرتا دیکھ رہی تھی۔ مگر وہ کہہ کیا رہا ہے۔ وہ سمجھ نہ آیا۔ پورے چار منٹ تک وہ مسکرا مسکرا کر فون پہ بات کرنے کے بعد اُسکی جانب آیا۔

”تمہارے بھائی سے بات ہوئی ہے۔ اب مجھے افسوس ہو رہا ہے۔ میں فضول میں تمہارے ساتھ سر کھپا رہا تھا۔ سیدھا تمہارے گھر سے ہی اجازت لے لیتا۔ خیر تمہارے بھائی نے بڑی خوشی سے ہمیں ساتھ ڈنر کرنے کی اجازت دے دی ہے۔“

”کیا آپ کی یا سر بھائی سے بات ہوئی ہے؟“

”اور کتنے بھائی ہیں؟“

”انہوں نے کیا کہا؟“

”کہہ رہے تھے یا رتم لوگ پچیس تیس سال کے پبے سیانے لوگ ہو۔ باہر ڈنر کرنا ہے تو کر لو اس میں علیحدہ سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔“

”آپ نے اُن سے کیا کہا تھا؟“

”بھائی صاحب اگر آپ براہ منائیں تو اس غاتون کو ڈنر پہ لے جاؤں۔ اب خوش؟“

وہ اپنے فون پہ تیزی سے کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ جب وہ اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے بولی۔

”معزرت کے ساتھ مگر میں آپ کے ساتھ ڈنر پہ جانے کی بالکل بھی خواہش مند نہیں ہوں۔“

اُس کے چلتے ہوئے ہاتھ ایک لمحے کو رُ کے اُس نے سر اٹھا کر میٹھمہ کو دیکھا۔ سورج اُسکے چہرے پہ چمک رہا تھا۔ ہلکی سی لالی کے ساتھ پسینے کے چند قطرے اُسکے ناک کی نوک پہ بڑے ناز سے منجمد تھے۔

”میں نے ٹیبل بک کروالیا ہے۔ اب تو جانا ہی پڑے گا۔“

اُس نے اپنے فون کی سکرین میٹھمہ کے سامنے کی جس پہ فائر نامی نمبر سے آئے میسج میں تفصیل درج تھی۔ میٹھمہ کا غصہ ابل کر باہر آیا۔

”آپ مجھے گھر تک چھوڑ رہے ہیں؟۔۔ یا میں خود سے چلی جاؤں؟۔۔“

غازن کی نظریں اُسکے چہرے پہ ٹپک گئیں۔ اور کتنی دیرو میں رہیں۔ وہ ماتھے پہ شکن لیے بظاہر اپنے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔

غازن نے گہرا سانس خارج کیا۔ آج وہ خود کو بھی حیران کر رہا تھا۔

”غصہ کس بات پر آ رہا ہے؟۔۔“

”آپ کی دھونس اور زبردستی پر۔۔۔“

”میڈم میں نے آپ کے بھائی سے اجازت لی ہے۔۔“

”تو پھر ڈنر بھی میرے بھائی کے ساتھ کیجئے گا۔“

”چلو چلیں۔۔۔“

ضیثمہ نے چیزیں تیزی سے انہی جگہ پر رکھیں۔ اور اُسکے پیچھے چل پڑی۔۔

واپسی کا راستہ مختصر اور خاموشی میں نکلتا تھا۔ البتہ اُسکو گھر کے گیٹ پر اتارتے وقت غازان نے بڑے تحمل سے اپنے پردو گرام سے آگاہ کیا تھا۔

”میں سات بجے تمہیں لینے آؤنگا۔ اس اُمید پہ کی تم ڈنر کے لیے تیار ملو گی۔“

اس سے پہلے کہ وہ اُسکے منہ پہ ایک دفعہ پھر سے انکار کرتی وہ گاڑی آگے بڑھالے گیا۔
ضیثمہ اپنی مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔

اندر قدم رکھتے ہی جو پہلی بات اُس نے کی وہ سُن کر بھابھی سمیت ابو کے چہرے پہ بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔
اُس نے اپنی کوفت میں اُنکی مسکراہٹوں کو نوٹس ہی نہ لیا۔

”عجیب سُنکی آدمی ہے۔ میں کہہ رہی ہوں۔ بھئی ڈنر پہ نہیں جانا تو نہیں جانا پُر سُن ہی نہیں رہا۔ یا سر بھائی کو بھی کیا پڑی تھی۔ ایویں اٹھا کر اجازت دے دی۔ اب کریں انکار میں تو نہیں جاتی ڈنر تو نہ۔۔۔۔۔“
تین بجے وہ گھر آئی تھی۔ ٹھہر پڑی تھوڑی دیر آرام کیا۔ شام کی چائے بنا رہی تھی۔ جب بھابھی کے آواز دینے پر کچن سے نکل کر ہال میں آئی۔

سامنے بھابھی ایک بڑا سا باکس لیے کھڑی تھیں۔

”یہ کیا ہے؟۔۔“

”غازان کا ڈرائیور دیکر گیا ہے۔“

ضیثمہ نے بے اختیار اپنے گرد موجود افراد کو دیکھا۔

یاسر بھائی ٹی وی میں مگن ہو گئے۔ ابو شام کے اخبار میں سر دنیے نظر آئے۔ دانیال اپنے ایم پی تھری کے ہیڈ میڈٹ لگائے بیٹھا تھا۔ صبا خطرناک تاثرات کے ساتھ باکس کو دیکھ رہی تھی۔

ضیثمہ نے باکس کو ایسے دیکھا جیسے کسی بھی لے اُس میں سے سانپ نکل آئے گا۔

”جو لیکر آیا ہے۔ اُسی کے ہاتھ واپس بکھوادیں۔“

”کھول کر تو دیکھو۔“

بھابھی کی بات پر اس نے گردن کو زور زور سے نفی میں ہلایا۔

”نہیں بالکل بھی نہیں یہ آدمی اپنی ماں سے بھی زیادہ چپکوتا ہے۔ میری ہی مت ماری تھی۔ مجھے نرمی سے پیش نہیں آنا چاہیے تھا۔ مجھے ایل ملاقات کے لیے بھی ہاں نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یاسر بھائی۔۔۔؟۔۔۔“

مدد کے لیے یاسر کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔۔۔

”کوئی اجنبی آدمی آپ کی بہن کو گفٹ بھیج رہا ہے۔ اٹھ کر یہ سب اسکو شکریہ کے ساتھ واپس کر کے آئیں۔“

”یاسر نے ٹی وی سے نظر ہٹا کر اسکو دیکھا۔ پھر فرحین کے ہاتھ میں پکڑے باکس کو دیکھا۔

”ابو اسکو بتادیں۔ ہم نے اسکا رشتہ خازن کے ساتھ فائل کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ اس لحاظ سے اب وہ

اجنبی نہیں ہے۔ اور اسکی جانب سے اگر کوئی تحفہ آتا ہے۔ تو ضمیمہ پر فرض ہے شکریہ کے ساتھ وصول کرے نہ کہ بچوں کی طرح بے ٹکا شور مچائے۔“

کمرے میں ٹی وی کے شور کے باوجود خاموشی چھا گئی۔

وہ بے یقینی کے ساتھ بھائی کا چہرہ دیکھنے لگی۔

خود کو تسلی دی یقیناً میں نے غلط سنا ہے۔ یاسر بھائی مجھے تنگ کرنے کو ایسا کہہ گئے ہیں۔

ابو نے یاسر بھائی کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں۔

”بہت اچھے سب سے مشکل کام میرے ذمہ لگا دو۔“

”ضمیمہ ادھر آؤ۔“

ابو نے اخبار کو تہہ لگا کر ایک طرف رکھا۔ چشمہ اتار کر اوپری جیب میں رکھا۔ اور اپنی ساری توجہ بیٹی کی جانب

کی۔۔۔

جو کسی رپورٹ کی طرح اُنکے پاس آ کر گرنے بے انداز میں صوفے پہ بیٹھی۔

”بیٹا اگر میں نے تمہاری شادی نہ کرنی ہوتی تو میں ان رشتے دیکھنے دیکھانے کے چکر میں بالکل بھی نہ پڑتا۔“

”پدا ابو۔۔۔۔۔“

اُس نے جو بھی دلیل دینی چاہی ابونے درمیان میں ہی ہاتھ اٹھا کر اسکو ٹوک دیا۔

”نہیشمہ آج ہم جزباتی بالکل نہیں ہو رہے۔ آج صرف ہوش سے کام لینا ہے۔ جتنا وقت سوگ میں گزرا لیا ہے۔ وہی بہت ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گا تم ایک سائے کے پیچھے اپنی ساری زندگی کو روگ لگا کر بیٹھو۔ آج طلبگار آرہے ہیں۔ اگر آج ہونے والی دستک کی قدر نہ کی تو ایک وقت وہ آئے گا۔ جب تم اور میں یہ چاہیں گے۔ کوئی تو ہو جو آکر دستک دے۔ پر پیٹے کوئی نہیں آئے گا۔ خازن سے ملی ہو۔ اگر وہ پسند نہیں ہے۔ کوئی بات نہیں میں نے تین لڑکے اور پسند کئے ہیں۔ ایک دورشتے داروں میں سے ہیں۔ ایک غیر ہے۔ فرحین کو سب کی تصویریں دے دی ہیں۔ تم وہ دیکھ لو۔ فرحین تمہیں اُنکے بارے میں ساری تفصیل سے آگاہ کر دے گی۔ چاروں رشتوں میں سے تمہیں جو بھی پسند ہو اچھے سے سوچ کر کل اس وقت مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔ شادی ہونا ضروری ہے۔ میرا فرض ہے۔ میں اپنا فرض پورا کرنا چاہتا ہوں نہیشمہ مجھے اپنے آنسوؤں سے کمزور مت کرنا۔ سعد کے نام پر بیٹھنا بیوقوفی ہے۔ تمہیں سننے کے لیے وقت چاہیے تھا۔ میں نے تمہیں پورا وقت دیا ہے۔ بیٹی وقت بھی سدا ہمارا نہیں رہتا۔ کاش وہ اتنی تھوڑی زندگی کھوا کر نہ لایا ہوتا۔ تو آج تم اپنے گھر میں خوش و مگن ہوتیں۔ مجھے خازن پسند آیا ہے۔ بااعتماد اور محنتی انسان ہے۔ اخلاق کا بھی اچھا ہے۔ اور سب سے بڑا پوائنٹ یہ ہے۔ اُسکی والدہ تمہیں دل و جان سے اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں۔ خازن نے ماں کو رشتے کے لیے ہاں کہہ دی ہے۔ صبح تمہارے واپس آنے سے پہلے ہی خازن کی امی کا فون آگیا تھا۔ خازن نے تمہارے حق میں اپنی ماں کے فیصلے کو قبول کیا ہے۔ شادی سے فرار نہیں دے سکتا ہوں۔ مگر یہ ضرور کہوں گا۔ تمہاری شادی اسی سے کرونگا جس کے لیے تم ہاں کرو گی۔“

پھر وہ فرحین کی جانب پلٹے۔۔

”فرحین بہن کو وہ تصویریں دیکھا دو۔“

فرحین نے ”جی اچھا کہہ کر سر اثبات میں ہلایا۔ اس سے پہلے ہی نہیشمہ وہاں سے ہٹ گئی۔

☆.....☆.....☆

ڈنر کا وقت گزرے بھی اب تو کبھی گھنٹے ہو چکے تھے۔

آج سب سے عجیب بات یہ ہوئی وہ رونی نہیں۔ ابو کے کہے گئے ہر لفظ نے روح پر جتنا بھی ظلم کیا ہو آج آنکھ سے ایک قطرہ بھی نہ پڑا تھا۔

پانچ منٹ پہلے تک فرحین بھابھی اُسکے پاس ہی موجود تھیں۔
سارا کچھ بتانے کے بعد اُس کی پیشانی پہ پیار دیکر چلی گئی تھیں۔
غازن کا بھیجا گیا باکس اُسکے سامنے بیڑ پہ پڑا ہوا تھا۔ ابھی تک ہاتھ بڑھا کر اُسکو کھولا تک نہیں تھا۔
نہ جانے جب تک اپنی سوچوں میں گم رہتی۔ موبائل کی سیپ نے چونکا دیا۔
انجان نمبر سے میسج تھا۔

"میں چاہتا ہوں۔ تمہارا فیصلہ میرے حق میں ہو۔"
منیشمہ کے ماتھے پہ تیوری آئی۔۔۔ غصے سے جواب لکھ کر بھیج دیا۔
"ایک جھوٹا۔۔۔ بے اعتبار آدمی۔۔۔"
فوراً ہی جواب آگیا۔

"مجھے اتنے اچھے سے جان گئی ہو۔ تو یہ بھی جان لو۔ میں ارادے کا پکا ہوں۔"
"میں تمہیں انکار کر رہی ہوں۔"
"فائنلی مجھے ادب کے دائرے سے تو نکالا۔۔۔"
"کیونکہ تم عورت کے لائق نہیں ہو۔"

"شکر ہے یہ نہیں کہہ دیا کہ غازن ایاز محبت کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں۔ میری بیوی میری عورت چاہے نہ کرے مگر مجھ سے محبت ضرور کرے۔"
"گو ٹو ہیمل غازن ایاز۔۔۔!!۔۔۔"

"میرا گفٹ پسند آیا؟۔۔۔"
"میں نے دیکھے بغیر پھینک دیا تھا۔"
"اگر یہی چلن رہے تو اسی ہفتے نکاح ہوگا۔"

ضیثمہ کے لب پھینچ گئے۔ غصے سے جسم کانپنے لگا۔

جی چاہا ایک سو ایک گالیاں لکھ کر بھیجے۔

”میں مر کر بھی تم سے شادی نہ کروں۔ میں نے کسی اور کے حق میں ہاں کہہ دی ہے۔“

”میں نہیں مانتا۔“

”نہ مانو میری بلا سے۔۔۔“

اُس نے بیڈ پر پڑی تصویروں کو اٹھا کر باری باری دیکھا۔

بے دلی سے دیکھے جارہی تھی۔ دماغ کہیں اور تھا۔ دل کہیں اور نگاہ کہیں اور ایک بات پکی ہے۔ شادی خازن سے نہیں کرنی اُس کے علاوہ کوئی بھی ہو چلے گا۔

بہت سوچ بچار کرنے کے بعد داڑھی والی تصویر اٹھا کر نہ صرف ایک طرف رکھی بلکہ فون پہ تصویر لیکر دوسری جانب بھی بھیج دی۔

”اسکے ساتھ شادی کر رہی ہوں۔ کارڈ بھیجوں گی چاول کھانے ضرور آنا۔“

”تم میرے مقابلے میں اسکو چن رہی ہو؟۔۔۔“

”اپنے الفاظ درست کر لو۔ چن رہی نہیں ہوں۔ چن چکی ہوں۔“

”ایک بات بولوں اگر بڑا نہ مناؤ۔۔۔ کس قدر گھسی پٹی پسند ہے۔ یہ کرتا کیا ہے؟۔۔۔“

”ڈاکٹر ہے۔“

”جانوروں کا؟۔۔۔“

”نہیں پاگلوں کا تم اپنا علاج کروانے ضرور آنا۔ میری سفارش پہ تمہیں فری ٹریٹمنٹ ملے گی۔“

”سعدی کی محبت کہاں گئی؟۔۔۔“

”دل میں ہی ہے۔“

”وہ سارے دعوے کہاں گئے جو تم نے آج دن میں کئے تھے؟۔“

”آئی ہیٹ یو خازن ایاز۔۔۔“

”مجھے اس ایک فخرے نے بہت سی امید دی ہے۔ شکریہ۔۔۔“

ضیثمہ نے فون ایک طرف پھینکا اور اپنی دکھتی ہوئی آنکھوں کو ہاتھوں سے ڈھانپ کر بیڈ پر چت لیٹ گئی۔
اپنے احساسات اپنی ہی سمجھ سے باہر تھے۔ غازن پہ غصہ آئے جا رہا تھا۔ کیا تھا جو اپنی ماں کو انکار کر دیتا۔ کسی خیال کے آتے ہی فوراً اٹھ کے بیٹھی فون اٹھا اور جلدی جلدی لکھا۔

”کیا تمہیں لڑکیوں کی اتنی کمی ہے۔ جو ایک بیوہ سے شادی کرنے کو تیار ہو۔ جو ابھی تک اپنے مرحوم شوہر سے محبت کرتی ہے۔ اگر میں نے تم سے شادی کی بھی تو کبھی محبت نہیں کرونگی۔“

”ضیثمہ کیا تمہیں بچے پسند ہیں؟۔۔۔“

ضیثمہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

وہ کیا کہہ رہی تھی۔ اور جواب میں وہ کیا پوچھ رہا تھا۔

”میں تم سے شادی نہیں کر رہی ہوں۔“

”خود کو بتا رہی ہو یا مجھے؟۔۔۔“

”جو مرضی سمجھ لو مگر میں تم سے شادی نہیں کرونگی۔“

”محبت کرو گی؟۔۔۔“

”مجھے تم سے نفرت ضرور ہو گی محبت نہیں۔“

”خود سے لڑنا بند کرو اور اپنی بالکونی میں آؤ۔۔۔“

چند پل سکرین کو دیکھتے رہنے کے بعد وہ بیڈ سے اٹھی تو فون ہاتھ میں ہی تھا۔ بالکونی کا دروازہ کھول کر دھیمے دھیمے قدم اٹھاتی باہر آئی۔ گیارہ پندرہ لیس ہو رہے تھے۔ ساری گلی سنان پڑی تھی۔ اور وہاں اپنی گاڑی کے بونٹ پہ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ ضیثمہ کو دیکھتے ہی دور سے ہاتھ دلا یا۔ وہ حیرت کی انتہا پر کھڑی پلکیں جھپکے بغیر اس کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جمپ مار کر گاڑی کے بونٹ سے اترا بڑی ادا سے اس کو سلامی پیش کرنے کو اپنا سیدھا ہاتھ دل پہ رکھ کر آگے کو

جھکا۔۔۔ سیدھا ہوا اور اونچی آواز میں بولا۔۔۔

”مجھے اپنی زندگی میں شامل کرنے کا بہت شکریہ۔۔۔“

ضیثمہ شاک سے نکلنے کے بعد فون کی مدد سے پوچھنے لگی۔۔

”یہاں کیا کر رہے ہو؟۔۔“

”جواب بھی فون پہ ہی ملا۔۔۔“

”تمہیں ڈنر پہ لیجانے کے لیے آیا تھا۔“

”ڈنر سات بجے تھا۔“

”میں سات بجے کا ہی آیا ہوا ہوں۔“

”تم پاگل ہو۔۔۔“

”تھا نہیں پر ہو گیا ہوں۔“

”تم تیس کے ہو کر کبھی پندرہ سالہ لڑکے والی حرکتیں کر رہے ہو بڈھے کھوٹھ نہیں کے۔۔۔“

گلی میں زندگی سے بھرپور مردانہ قہقہہ گونجتا تھا۔

”میں اتنا بوڑھا بھی نہیں ہوں۔“

”اپنے گھر جاؤ خازن۔۔۔۔“

”تمہیں لینے کب آؤں؟۔۔“

”جب میرے ابو بلائیں۔“

وہ اپنی گاڑی کی جانب مڑا۔۔۔ ڈرائیور سائیڈ کا دروازہ کھول کر اندر ٹھکا۔ واپس آیا۔۔۔ وہ اپنا سانس روکے اُسکی اگلی کاروائی دیکھ رہی تھی۔ پورے ایک منٹ پندرہ سیکنڈ بعد وہ اُسکے برابر بالکونی پہ کھڑا تھا۔

”ہیلو۔۔۔“

ہ۔۔۔۔۔ ی۔۔۔۔۔ ہیلو۔۔۔۔۔“

ضیثمہ کو لگا نہ صرف بالکونی کی جگہ سگڑ گئی ہے۔ بلکہ وہاں پہ آنسو کی کمی بھی ہو گئی ہے۔

ڈارک گرے سوٹ میں وہ اتہاد رے کا ہینڈ سیم لگ رہا تھا۔ وہ خود بکھرے بالوں اور سلوٹوں سے بھرپور لباس میں اُسکے سامنے کھڑی تھی۔

”اب جبکہ تم نے ہاں کر دی ہے۔ میں بتانا چاہتا ہوں۔ تمہیں دینی گنجی ساری تصویریں میری ہی ہیں۔ کالج میں ڈرامے کے گیٹ اپ میں ایک دس سال پرانی ہے۔ ایک یونیورسٹی کی ہے۔“

”تم پورے پیلڈ ہو۔۔۔“

”یس میم۔۔۔“

کچھ دیر اسکو دیکھنے کے بعد گہرا سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

”کاش اس وقت ہم لوگ پیرس میں ہوتے۔ آئیفل ٹاور کے نیچے فرنج کس ہوتی۔ خیر یہ بالکونی بھی بُری نہیں ہے۔۔۔“

ضیثمہ کے گال لال ٹماڑ ہو رہے تھے۔ وہ بغیر سوچے نہ جانے کیا کیا بولے جا رہا تھا۔ وہ وہاں سے ہٹنے کا سوچ رہی تھی۔ جب وہ اسکو مزید حیران کرتا ہوا۔ اُسکے سامنے ایک ٹانگ پہ بیٹھا اور جیب سے بیلو ویلوٹ کا چھوٹا سا باکس نکال کر اُسکے سامنے کھولا۔۔۔۔

”میں جانتا ہوں۔ یہ سب پاگل پن کی حد تک عجیب و غریب ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں۔ تم سعد سے محبت کرتی ہو۔ مجھ سے نفرت کرتی ہو۔ پھر بھی میں چاہتا ہوں۔ تم میری بیوی بنو۔“

بڑی بڑی گہری سُرمئی آنکھیں استعجاب سے اُس آدمی کو دیکھ رہی تھیں۔

”ضیثمہ اگٹھی پکڑ لو تمہاری خاطر وہ دیواریں پھلانگ کر یہاں تک پہنچا ہے۔ اب کیا وہ دھکی نہر نکالے؟“

یاسر بھائی کی آواز پر وہ اپنی جگہ پہ اچھل پڑی۔۔۔

غازن بڑی دیدہ دلیری سے مسکرا رہا تھا۔

بھائی کے پیچھے بھا بھی کا چہرہ نظر آیا۔ بھا بھی کے پیچھے دانیال چہرے پہ غازن سے بھی بڑی مسکراہٹ دیکھا رہا تھا۔

ضیثمہ نے اُن سب کو دیکھا پھر اپنے سامنے بیٹھے غازن کو۔۔۔ آنکھوں میں پانی چمکنے لگا۔

”ضیثمہ اپنا ہاتھ آگے کر دجانی۔۔۔“

بھا بھی کی بات پر اُس نے اپنے ہاتھ کو بند کر کے کمر کے پیچھے کر لیا۔

”پھوپھو بندہ جلد باز ضرور ہے۔ پر ہے معقول ہی۔۔۔ یس کریں۔“

دانیال نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔۔۔

خازن سب کے الفاظ کو انجائے کر رہا تھا۔ انھیں مسلسل ضیثمہ پہنکی ہوئی تھیں۔

ضیثمہ نے آخری دفعہ بھائی اور بھائی کی جانب دیکھا۔ بھائی کے چہرے پر نرم مسکراہٹ تھی۔ اور بھائی کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

اُس نے تھوک نکھلتے ہوئے۔ اپنا کانپتا ہوا ہاتھ آگے بڑھایا۔ جسے اپنی مضبوط گرفت میں لیتے ہوئے خازن نے قیمتی سفید ڈائمنڈ اسکی انگلی میں ڈال دیا۔

دانیال نے تالیہ بجا کر ہرے کا نعرہ لگایا۔

بھائی نے اُسے آکر اسکو گلے لگا کر بے اختیار اسکی پیشانی چومی۔۔۔

”بہت بہت مبارک ہو میری جان آج کا دن کتنا خوبصورت دن ہے۔“

بھائی نے خازن کو گلے لگا کر مبارک دی۔ پھر اُس کے گرد بازو پھیلا کر اسکو چھوٹی سی گڑیا کی طرح اپنے سینے میں پیچ کر سدا خوش رہنے کی دعا دی۔

”پھوپھو میں نے کہا تھا ناہر خزاں کے خاتمے پر ایک بہار آتی ہے۔ آج آپ پر بہار کی شروعات ہو گئی ہے۔“

ضیثمہ جواب میں کچھ بھی کہنے سے قاصر تھی۔ دماغ مختلف خیالات کی آماجگاہ بن کر رہ گیا۔

سب کچھ بہت غلط لگ رہا تھا۔ یوں جیسے خازن کے نام کی انگوٹھی پہن کر کوئی گناہ کر لیا ہو۔ سعد زندہ نہیں تھا۔ تو کیا؟ وہ ابھی تک اسی کی بیوہ تھی۔ مگر اب کے بعد حوالے بند لے والے تھے۔ نیا تعارف بننے جا رہا تھا۔

خازن مزید کچھ کہے بغیر یا سر بھائی کی ہمرای میں کمرے سے نکل گیا۔

یاسر بھائی نے بھائی سے کچھ میٹھا کھلانے کی فرمائش کی تھی۔

”آپ نیچے چل کر ابو کو یہ خوشخبری سنائیں میں آپکا منہ میٹھا کرنے کا انتقام کرتی ہوں۔ اور دانیال بیٹا آپ

خازن انکل کے گھر فون کر کے انکی امی کو بلاؤ۔“

بھائی خوشی خوشی ہدایتیں دیتی بھائی کے پیچھے ہی نکل گئیں۔۔۔

دانیال بھی جی اچھا کہتا یقیناً فون کرنے چلا گیا تھا۔

وہ کتنی دیر انکی ہی بالکونی میں کھڑی رہی۔ نظریں ہاتھ پہ سجے گئیں۔ جو بالکل پورا آیا تھا۔ جیسے خاص اسی کے لیے بنایا گیا ہو۔

اُس نے سر اٹھا کر ایک نظرتاروں سے چمکتے آسمان کو دیکھا۔ کیا آج سے آسمان بھی بدل جائے گا؟۔۔۔
دھیمے قدموں سے آکر بیڈ پہ سرہانے کی جانب بیٹھ گئی۔

بچے سے قہقہوں اور باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ آج کا سورج جب طلوع ہوا تھا۔ تو کس نے سوچا تھا۔ اگلی صبح کے نکلنے سے پہلے اس نئے تعلق کی بنیاد رکھی جائے گی۔ سچ یہی ہے انسان کے بس میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔
اُس کے کمرے کا دروازہ کھلا جس پہ وہ اپنی سوچوں سے باہر آئی۔

صبا کا پھولا ہوا چہرہ ابھرا۔۔۔

"بچے ماما کہہ رہی ہیں۔ آپکی شادی اُن گندے والے انکل کے ساتھ ہو رہی ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟۔۔۔"
وہ گہرا سانس خارج کرتے ہوئے پیر بیڈ پہ رکھ کر آرام دہ حالت میں بیٹھی۔

"ادھر آؤ۔۔۔۔"

صبا آنکھوں میں ناراضگی لیے اپنے پیچھے دروازہ بند کرتی اُس کے پاس بیڈ پہ چڑھ آئی۔
ضیثمہ نے اسکو اپنے ساتھ لگا کر اوپر کیمبل اوڑھا دیا۔۔۔

جب کتنی دیر تک ضیثمہ بولی نہیں تو صبا نے ایک دفعہ پھر اُسکی توجہ حاصل کی۔۔۔

"اب بتائیں بھی؟۔۔۔ کیا آپ اُن گندے انکل سے شادی کر رہی ہیں؟۔۔۔"

"مجبوری ہے۔"

"کوئی مجبوری نہیں ہے۔ آپ انکار کر دیں۔"

"میرے انکار کی کوئی حثیت نہیں ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ میں انکار کر دیتی ہو۔ میں ابھ جا کر اُن کو بتا دیتی ہوں۔ میری پیاری پھوپھو جانی آپ سے شادی نہیں کریں گی۔"

”کیا وہ بہت گندہ ہے؟۔“

”بہت زیادہ۔۔۔“

”مگر بظاہر تو صاف سُتھر اہی لگتا ہے۔ میرا خیال ہے۔ سال میں ایک دو دفعہ نہا بھی لیتا ہوگا۔ کیا خیال ہے؟“

”آپ کی شادی تو سعد ماموں سے ہوئی تھی۔ پھر یہ گندے انکل کہاں سے آگئے۔ اللہ سے دُعا کرتے ہیں۔ وہ سعد ماموں کو واپس بھیج دیں۔“

”جانی اللہ جن کو ایک دفعہ اپنے پاس بلا لیتے ہیں۔ انکو واپس آنے کی اجازت نہیں دیتے۔“

”پھر ایسا کرتے ہیں۔ میں اور آپ بھی سعد ماموں کے پاس چلے جاتے ہیں۔ وہاں اُنکے ساتھ ہی رہیں گے۔ کبھی واپس نہیں آئیں گے۔“

ضمیشمہ نے صبا کو زور سے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔۔

”میری جان ہم بغیر بلاوے کے وہاں جا بھی نہیں سکتے۔ صرف تب ہی جاسکتے ہیں۔ جب اللہ پاک اپنے فرشتوں کو ہمیں لینے بھیجتے ہیں۔“

”تو پھر اب کیا ہوگا؟۔۔۔ نہ ہم جاسکتے ہیں۔ نہ سعد ماموں آسکتے ہیں۔ تو کیا آپ ان گندے انکل سے شادی کر لیں گی؟۔۔۔“

”دادا ابو اور بابا خوش ہیں۔ آپکی مابھی آج مسکرا رہی ہیں۔ اتنے عرصے بعد آج رات کے اس پہر گھر کی ساری بتیاں جل رہی ہیں۔ پارٹی کا انتظام ہو رہا ہے۔ جس پہ میں سوچنے پہ مجبور ہو گئی ہوں۔“

”کیا سوچ رہی ہیں؟۔۔“

”یہی کہ اتنے سب لوگ خوش ہیں۔ تو کیوں انکار کر کے ان سب کو اُداس کرنا۔ گندے انکل اپنے گھر چلے جائیں گے۔ پھر دادا کسی اور گندے انکل کو ڈھونڈ کر لے آئیں گے بابا ہر دوسری رشتے کروانے والی مائی کو ہر ہفتے پیسے دیکر درخواست کریں گے۔ ہماری ضمیشمہ کے لیے رشتہ ڈھونڈ میں ماما اتنے لوگوں کی مہمان نوازی کریں گی۔ میں پھر انکار کر دوں گی۔ دادا کو دکھ ہوگا۔ بابا بھی ٹیشن میں رہیں گے۔ اسلیے بہتر ہیں۔ جو ہو رہا ہے۔ وہ ہونے دیتے ہیں۔ کیا خیال ہے۔“

صبا نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ بس ضیثمہ کے ساتھ لگی گھری سوچ میں گم رہی۔ پھر ایک دم بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔۔۔

”تو کیا آپ شادی کر کے اُن گندے انکل کے ساتھ چلی جائیگی؟“

”مجبوری ہے۔ جانا تو پڑے گا۔“

باہر گیٹ پہ گاڑی رکی تھی۔ ساتھ ہی ہارن بجایا گیا تھا۔

صبا ایک جست میں بیڈ سے نکل کر بالکونی کی جانب بھاگی۔۔۔

دومنٹ بعد مڑی۔۔۔

”وہ موٹی والی اماں جی آئی ہیں۔ ساتھ میں اُس دن والی لڑکی اور ایک لڑکا ہے۔“

”ایسے نہیں کہتے۔ جنکو موٹی والی اماں کہہ رہی ہو۔ انہوں نے سُن لیا تو کیا سوچیں گی۔ صبا کو کوئی تمیز نہیں ہے۔“

اچھا ٹھیک ہے۔ نہیں کہتی اُنکو موٹا۔ ہر اُنکے پیٹے کو گندہ انکل ہی کہوں گی۔“

”اُسکو جو مرضی بول لو۔ اُسکی خیر ہے۔ بلکہ اُسکے منہ پہ کہنا گندہ انکل۔۔۔“

”کیا آپ بھی اُنکو گندہ انکل ہی بولا کریں گی۔“

”نہیں صرف گندہ کہہ لیا کرو گی۔ کیا خیال ہے؟۔۔۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔ کیونکہ وہ میرے انکل ہیں۔ آپکے تو نہیں ہیں۔“

”ہاں صحیح کہہ رہی ہو۔ میرے لیے تو وہ بالِ جان ہے۔“

”وہ کیا ہوتا ہے؟۔۔۔“

دروازے پہ ہونے والی دستک نے ضیثمہ کو جواب سے بچا لیا۔

آنے والی دونوں اُسکی ہونے والی تندیس تھیں۔ ایک کو تو وہ پہلے سے مل چکی تھی۔ دوسری سے پہلی ملاقات تھی۔

”اسلام علیکم بھابھی جان۔۔۔!!“

چھوٹی والی پوری بانہیں کھول کر اُسکی جانب بڑھی تھی۔ ضیثمہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو ہی رہی تھی۔ جب تک وہ

لڑکی اسکو گلے لگا چکی تھی۔

”ولیکم اسلام۔۔۔ آپ کیسی ہیں؟۔۔۔“

ضیثمہ نے اخلاق سے پوچھا۔ جواب میں وہ جوش سے بولی۔۔۔

”میں بہت زیادہ خوش ہوں۔ شام کی فلائیٹ سے پہنچی ہوں۔ اتنی بڑی خوشی کی خبر ملتے ہی سفر کی ساری تھکاوٹ جاتی رہی ہے۔ اُن اللہ آپ کتنی پیاری ہیں۔ میں تو سمجھتی تھی۔ مئی اپنی نرم فطرت کے پیش نظر آپ کی اتنی تعریفیں کرتی ہیں۔ مگر اب تو مان گئے بھئی مئی کی پسند واقعی لا جواب ہے۔ مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آ رہا میرا بھائی پہلی گیند پہ ہی بولڈ آؤٹ ہو گیا ہے۔“

”خُصہ اپنے جذبات پہ بندھ باندھوں ایک دم سے اتنا بول کر ضیثمہ کو پریشان کر رہی ہو۔“

دانیہ نے مسکراتے ہوئے خُصہ کو ٹوکا اور آگے بڑھ کر ضیثمہ کے چہرے کو نرمی سے دونوں ہاتھوں میں بھر کر پیار سے دیکھتے ہوئے بولیں۔۔۔

”فیملی کا حصہ بننے پر تہہ دل سے خوش آمدید۔۔۔ جیسے ہمارا بھائی ہم سب بہنوں اور مئی کی آنکھوں کا تارا ہے۔ اسی طرح آج سے تم بھی ہمیں دل و جان سے عزیز ہو۔“

ضیثمہ صرف مسکرا ہی سکی۔ اسکے علاوہ کوئی جواب اسکے پاس تھا بھی نہیں۔

اس دوران خُصہ دروازے کے پاس پڑے دو بڑے بڑے بیگز جو وہ اپنے ساتھ لائیں تھیں۔ فرش سے اٹھا کر بیڈ پہ رکھ دیئے۔

”خواتین باتیں تو اب کبھی ختم نہیں ہوتی ہیں۔ ابھی تو زونی آپنی اور صُحہ نے بھابھی سے بات کرنی ہے۔ پھر سب سے پہلے ان پہ مئی کا حق ہے۔ جو نیچے بڑی بے چینی سے آپ کی منتظر ہیں۔ یہ سب انہوں نے بہت پہلے سے خرید کر رکھا ہوا تھا۔ اگر آپ بڑا نہ منائیں تو یہ لباس پہن لیں۔ تاکہ پھر میں آپ کو مئی سے ملوانے نیچے لے جاؤ۔ پلیز انکار مت کیجئے گا۔ کیونکہ آپ کی دوسری دونوں تندیں بڑی بے چینی سے ویڈیو کال کے انتظار میں ہیں۔ اب آپ آنکو سلیپنگ سوٹ میں تو ملنا نہیں چاہیں گی۔ اسکے لیے یہ لباس آئیڈیل ہے۔“

خُصہ بولنے کے ساتھ ساتھ دونوں بیگز خالی کر چکی تھی۔ فیروزی رنگ کی کام والی گاؤن جس پہ ٹاشمنگ پنک ریشم کا کام بھی کیا ہوا تھا۔ فیروزی جوتے۔۔۔ چوڑیاں۔۔۔ مہندی۔۔۔ میک اپ کی پوری کٹ۔۔۔ ہر ہر آئٹم موجود تھی۔

ضیثمہ کی نظر جوتے کے سائز پہ پڑی بے اختیار منہ سے سوال نکلا۔۔۔

”آنٹی نے یہ شاپنگ بہت پہلے کی تھی۔ ہر آنکھ میرا سائز کیسے معلوم ہوا؟۔۔۔“
دانیہ ہلکے سے نہیں۔۔۔

”مئی کے پاس اپنے سورسز ہیں۔ خواتین کی کونسل جو ایسی معلومات اٹھی کرنے میں ماہر ہوتی ہے۔“
”تو کیا آنٹی کو یقین تھا۔ یہ رشتہ ہو کر رہے گا؟۔۔۔“

”کم از کم میں تو اس بات کی گواہ ہوں۔ پہلے دن سے مئی کے یقین میں رتی بھر فرق نہیں آیا۔ جس دن انہوں نے ہم بہنوں کے آگے تمہارا زکر کیا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا۔ آنکھ بس نہیں چل رہا اور نہ اسی بل اپنے بیٹے کی بارات لیکر تمہارے گھر پہنچ جاتیں۔۔۔“

ضیثمہ کو بے اختیار تہمینہ آنٹی پہ پیار آیا۔ ایسے پر خلوص لوگ بہت کم ملتے ہیں۔

”ضیثمہ تمہیں تکلیف تو یقیناً ہوگی۔ پر پلیز مئی کی خوشی کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

دانیہ کے کہنے پہ وہ نہ نہیں کر سکی۔ لیکن تھام کر واش روم میں بند ہو گئی۔

صبا خاموشی سے دونوں بہنوں کو دیکھتے جا رہی تھی۔

”صبا بیٹا اتنے غور سے کیا دیکھ رہی ہو؟۔۔۔“

ضمہ کے سوال پہ صبا بغیر ہچکچائے بولی۔۔۔

”آپ دونوں اور آپکی مئی تو بہت حسین ہیں۔ پھر اہل کیوں اتنے محندے ہیں۔“

پہلے تو دونوں بہنیں منہ کھولے حیرت سے صبا کو دیکھ گئیں۔ پھر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئیں۔

☆.....☆.....☆

دانیہ اور ضمہ کی ہمراہی میں جب اس نے ڈرائیونگ روم میں قدم رکھا ایک بل کو تمام آوازیں مر گئیں۔۔۔

غازن ایاز نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا تھا۔۔۔ یہ الگ بات ضیثمہ نے نظر اٹھا کر اسکو دیکھنا تک

نہ گوارا کیا۔

ہلکے فیروز کی رنگ کے جوڑے میں اس کی سفیدی مائل گندمی رنگت کھلی ہوئی تھی۔۔۔

”ماشاء اللہ۔۔۔ اللہ پاک ہر بلا سے محفوظ رکھیں۔۔۔ اللہ میری بیٹی کا نصیب روشن کریں۔۔۔ سدا خوشیوں میں کھیلو۔۔۔“

تہمینہ بیگم نے اسکی پیشانی پہ پیار کرتے ہوئے دعاؤں کی بارش کر دی۔۔۔ ساتھ ہی اپنے پرس سے ہرے نیلے نوٹ برآمد کر کے اپنے پیٹے اور ضمیمہ کے سر سے وار کر کام والی کو دینے۔۔۔

”آؤ میری جان ادھر میرے پاس بیٹھو۔۔۔“

تہمینہ آئی کے کہنے پر ضمیمہ ٹو سیٹر صوفے پہ اُنکے برابر بیٹھ گئی۔۔۔

دانیہ اور فری بھابھی کی شرارتی معنی خیز نظریں غازن پہ تھیں۔۔۔

جو شائد وہاں موجود ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں تھا۔۔۔

ضمیمہ کب کی بیٹھ چکی تھی اور وہ ابھی تک ویسے ہی کھڑا نرم نظروں سے اپنی ماں اور اُنکے برابر بیٹھی اُس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔۔۔ جو آج ہی اُسکی زندگی میں آئی تھی۔۔۔ اور دل چاہ رہا تھا اب کبھی یہ نظروں سے دور نہ ہو۔۔۔ دانیہ نے گلاماف کرتے ہوئے اُسکی توجہ حاصل کی۔۔۔

”بھائی۔۔۔!!۔۔۔“

چونکا ضرور مگر شرمندہ بالکل نہیں تھا۔۔۔ دکھی سے مسکراتے ہوئے کچھ بڑبڑایا اور واپس اپنی جگہ پہ ٹپک گیا۔ کمرے میں قہقہے گھونچے تھے۔۔۔

باقی کی ساری محفل میں اُس نے بڑی مشکل سے اپنی نگاہوں کو قابو رکھا تھا۔۔۔ جو اُس صبح چہرے سے ہٹنے سے انکاری تھیں۔۔۔

”میں تو انگوٹھی بھی لائی تھی مگر اب جبکہ میرا بیٹا اپنے ہاتھوں سے یہ رسم کپکپا ہے تو میں اپنی بیٹی کو کنگن پہنا لیتی ہوں۔۔۔“

انہوں نے ایک باکس سے سونے کے نفیس سے دو کنگن نکالے اور ضمیمہ کی دونوں کلائیوں میں ایک ایک پہنا دیا۔۔۔

مبارک باد دی گئی مٹھائی کھلائی گئی۔۔۔ خوشیوں نے گھر میں زندگی کی گرمی دوڑا دی۔۔۔

صنم نے ڈھیروں ڈھیر تصویریں قید کیں۔۔۔
وہ لوگ تین دو بجے کے بعد واپسی کے لیے نکلے۔۔۔

”یار اتنی لیٹ جانا اچھا نہیں لگتا۔۔۔ ویسے بھی گھر جا کر سونا ہی ہے۔۔۔ اور ادھر کونسا بستر نہیں ہیں۔۔۔ ادھر ہی آرام کرو کل ناشتہ وغیرہ کر کے نکل جانا۔۔۔“

”فکر نہ کریں دس پندرہ منٹ کا راہ ہے۔۔۔ ویسے بھی سڑکیں سُنان پڑی ہوئی ہیں۔۔۔ دس منٹ سے پہلے ہی پہنچ جائیگے۔۔۔“

”یار تم اکیلے جاتے تو مجھے فکر نہ ہوتی۔۔۔ پر اب ساتھ میں امی اور بہنیں بھی ہیں۔۔۔ انہیں چھوڑ جاؤ۔۔۔“
”یاسر بھائی آپ مجھے حد سے زیادہ متاثر کر رہیں۔۔۔ اور اب میں اتنا بھی گیا گڑا نہیں ہوں کہ اماں اور بہنوں کو باحفاظت منزل تک نہ پہنچا سکوں۔۔۔ مگر آپکی بات میں بھی دم ہے۔۔۔ تو فیصلہ خواتین پہ ہی چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔ اگر یہ لوگ رکننا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔۔۔“

”یاسر بھائی بچے سو رہے تھے۔۔۔ ملازمہ کو انکے پاس چھوڑ کر آئی ہوں۔۔۔ ورنہ میں ضرور رکتی۔۔۔“
دانیہ نے کہا تو ابو نے مداخلت کی۔۔۔

”اگر یہ بات ہے تو بیٹے نکلو۔۔۔ مزید دیر مت کرو۔۔۔“
غازن نے بھابھی کے سامنے سر جھکا دیا۔۔۔

”اجازت؟۔۔۔“

”اسکی اس ادب بھابھی کی آنکھوں میں نئی آتر آئی۔۔۔“
”اللہ تمہیں ہمیشہ اپنی امان میں رکھیں۔۔۔“

جانے سے پہلے تہمینہ آٹنی سمیت دانیہ اور صنم نے بھی اسکو گلے لگا کر پیار کیا۔۔۔

وہ اور صبا ہی ڈرائیونگ روم میں موجود رہے ابو یاسر بھائی اور دانیال کے ساتھ بھابھی بھی سب کو گیٹ تک چھوڑ کر آئے۔۔۔

ضیثمہ کے کانوں سے یاسر بھائی کی آواز بگرائی۔۔۔

”خازن گھر پہنچتے ہی کال کر دینا۔۔۔ میں انتظار کروں گا۔۔۔“

”آپ نے ایک دفعہ اور مجھے اتنی پیار بھری تاکید کی یا سر بھائی تو میں نے یہاں سے جانے سے انکار کر دینا ہے۔“

”میں تو پہلے ہی تمہیں رکنے کی آفر کہہ چکا ہوں۔۔۔“

”ایسی بات ہے تو میں کل تک اپنی والدہ کے ذریعے یہاں پہ رکنے کا لائنس اپلائی کروں گا۔۔۔ میری درخواست التوا میں مت ڈالیے گا۔۔۔“

جواب میں یا سر بھائی کی مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی۔۔۔

”بڑے طریقے سے اپنے مطالبے منوار ہے ہو۔۔۔“

دوسری جانب سے خازن نے قہقہہ مارا تھا۔۔۔

”میں ایک بزنس مین ہوں۔۔۔ جانتا ہوں اپنا کام ایسے نکلوانا ہوتا ہے۔۔۔“

”چلو سوچتے ہیں تمہارے مطالبے پہ۔۔۔“

”بڑی نوازش۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔“

اسکے ساتھ ہی گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔۔۔

گھٹ کھلا۔۔۔ اور دو گاڑیاں آگے پیچھے نکل گئیں۔۔۔

ضیثمہ اپنی ہتھیلی پر موجود لکیروں کو کھوج رہی تھی۔۔۔

اندر آتے ہی بھابھی نے نوکرانی اور دانیال کو اپنے ساتھ لگایا اور برتن وغیرہ سمیٹیں لگیں۔۔۔

ابو تھکے ہوئے تھے۔۔۔ اپنے کمرے میں چلے گئے۔۔۔ صبا کو بھی نیند آرہی تھی۔۔۔ وہ بھی دادا کے ہمراہ ہی وہاں سے اٹھ گئی۔۔۔

یا سر بھائی آکر اسکے پاس بیٹھے اور بڑے آرام سے ایک بازو اسکے گرد ڈال کر اسکا سر اپنے کندھے پہ ٹکالیا۔

”اتنی چپ کیوں بیٹھی ہو۔۔۔“

”تو کیا بھنگڑے ڈالوں۔۔۔“

”خازن جیسے انسان سے منگنی ہونے کی خوشی میں ایک آدھ مسکراہٹ تو بنتی ہی ہے۔“

”آپ کو وہ بہت پسند آیا ہے۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ سیلٹ میڈ بندہ ہے۔۔۔ اخلاق و کردار کا بھی اچھا ہے۔۔۔“

”ایک ہی دن میں اُسکے اخلاق و کردار کو کیسے جان لیا۔۔۔“

”شوہر کا بندہ ہے۔۔۔ اسکا کردار اگر نگین ہوتا تو ہر دوسرے میگزین میں سُرخیاں آتیں۔۔۔“

”ہو سکتا ہے پیسہ دیکر اپنی بڑائیاں پُچھپاتا ہو۔۔۔“

”جس دن تہمینہ آٹنی پہلے دن ہمارے گھر آئی تھیں۔۔۔ اُس دن سے میں نے انٹرنیٹ چھان مارا ہے۔۔۔“

”بہت سی تصویریں ہیں۔۔۔ لڑکیوں کے ساتھ بھی ہیں۔۔۔ مگر کہیں کوئی سیریس افیروغیرہ نظر نہیں آیا صرف ایک سابقہ

گرل فرینڈ رہی ہے اسکی جو چار پانچ سال بعد علیحدہ ہو گئی تھی۔۔۔“

”یاسر بھائی۔۔۔ گرل فرینڈ ز رکھنے والے آدمی کے بارے میں آپ کہہ رہے ہیں کہ کردار کا اچھا ہے۔۔۔“

”اگر تیس بتیس سال کے مرد کا نام کسی بھی عورت کے ساتھ نہیں آ رہا تو حیرت کی بات ہوگی۔۔۔ انسان فرشتہ

نہیں ہوتا ہے۔۔۔ مرد تو خاص کر بے صبرہ ہوتا ہے۔۔۔ مگر اُسکے بارے میں یہی سننے کا ملا ہے۔۔۔ اس نے بڑا

مشکل وقت دیکھا ہے۔۔۔ جبکی وجہ سے اب اسکا ایک ہی جنون ہے۔۔۔ دن رات کاروبار کو بڑھانے میں لگا ہوا

ہے۔۔۔ پروڈکشن ہاؤس کے علاوہ بھی کئی جگہ سرگھسائے ہوئے بیٹھا ہے۔۔۔ جس کی وجہ سے اُسکے پاس عیاشی

کرنے کا بھی وقت نہیں بچتا۔۔۔“

”لگتا ہے آپ پوری ریسرچ کر کے بیٹھے ہیں۔۔۔“

”میرا فرض تھا۔۔۔“

”باقی سب تو چلیں ٹھیک ہے مگر اتنی جلدی کیوں؟۔۔۔ کیا آپکو عجیب نہیں لگا؟۔۔۔ پہلے تہمینہ آٹنی کو جلدی

تھی آج بیٹا آیا ہے تو وہ اُن سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔۔۔“

یاسر بھائی ہلکے سے ہنسے۔۔۔۔

”خازن کارویہ ثابت کرتا ہے کہ وہ تہمینہ آٹنی کا ہی بیٹا ہے۔۔۔ نہ صرف عادت اطوار ماں پہ گئی ہے۔۔۔ پسند

بھی اُن جیسی ہی لگی۔۔۔ ورنہ بہت کم بچے محمد ار عمر میں جا کر ان معاملات میں ماں باپ کے ہم خیال ثابت
 ہوتے ہیں۔۔۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ غازن نے سعادت مندی میں ماں کی پسند پہ ہاں کہی ہے۔۔۔ میرا پورا یقین
 ہے اُس نے تمہیں دیکھ کر پسند کرنے کے بعد اپنی پسند کے بل پہ ماں کو ہاں کی ہے۔۔۔ منگنی کی انگوٹھی ماں کو
 بتانے سے پہلے ہی پہنادی۔۔۔ اس سے ثابت ہو گیا نا کہ بندہ دل ہار گیا ہے۔۔۔
 باتوں کے دوران یاسر بھائی کی نظر مسلسل اپنے فون کی بھیجی سکرین پہ لگی ہوئی تھیں۔۔۔
 جسے نوٹ کر کے ضیثمہ نے اپنا سر اُنکے کندھے سے ہٹایا۔۔۔ اُنکا ہاتھ تھام کر بوسہ دیا۔۔۔
 ”آپکو فون کی طرف اتنی توجہ سے دیکھتے ہوئے پا کر مجھے استہوار درجے کی جیلیسی ہو رہی ہے۔۔۔ میں اوپر
 جاری ہوں۔۔۔ کل ملاقات ہوگی۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔“
 ”اگر غازن کامیج آئے تو مجھے بتا دینا گھر پہنچا کہ نہیں۔۔۔“
 یاسر بھائی کی بات پہ اُسکے قدم تھمے وہ مڑی۔۔۔ ماتھے پہ تیوری لیے شکی نظروں سے بھائی کو دیکھا۔۔۔
 ”تو اسکو میرا نمبر دینے والے بھی آپ ہی ہیں۔۔۔“
 ”جب تمہارا ہاتھ اُسکے ہاتھ میں دے دیا ہے تو فون نمبر دینے پہ اعتراض کیوں اٹھاتا۔۔۔ وہ کونسا کوئی
 لا آبا لی لڑکا ہے۔۔۔ جو دل لگی کرے گا۔۔۔ اگلے مہینے تم دونوں کا نکاح ہے۔۔۔“
 ”اور بھی کوئی دھماکہ بچا ہے تو میری سماعت پہ گرا دیں۔۔۔ کل کہیں آپ سب کو موقع ہی نہ ملے۔۔۔“
 ”اچھا جاؤ آرام کرو۔۔۔ نکاح والی بات میں ابھی بتانا نہیں چاہ رہا تھا۔۔۔ مگر منہ سے نکل گئی۔۔۔“
 ”بہت بہت شکریہ۔۔۔“
 وہ طنزیہ کہتی آگے بڑھ گئی تبھی یاسر بھائی کے موبائل پہ میسج آیا جسے انہوں نے با آواز بلند پڑھا۔۔۔
 ”برادر عزیز پد سکون ہو کر سو جائیں۔۔۔ شب بخیر۔۔۔“
 وہ رُکے بغیر اپنے کمرے میں آگئی۔۔۔
 دروازہ لاک کر کے بیڈ پہ بیٹھ گئی۔۔۔ جہاں سے نظر سیدھی ڈرینگ میز کے آئینے میں اُبھرتے اپنے عکس پہ
 پڑ رہی تھی۔۔۔

سینے سے گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے دوپٹے کی پٹنیں کھول کر آنچل ایک طرف رکھا۔۔۔
 باری باری دونوں کلائیوں سے ننگن اُتار کر وہیں اپنے سامنے بیڈ پر رکھے
 دماغ میں یا سر بھائی کا رویہ گھوم رہا تھا۔۔۔

”یہ تو جیسے تیار بیڈ تھے کوئی انکے گھر رشتہ بھیجے اور یہ فوراً سے بہن کو چلتا کریں۔۔۔“
 ننگن اُتار لینے کے بعد نظر بائیں ہاتھ کی چوٹی انگلی پہ جی انگوٹھی پہ جم گئیں۔۔۔
 دوسرے ہاتھ سے انگوٹھی کو تھام کر بے خیالی سے گھما رہی تھی۔۔۔

اپنے موبائل کی تلاش میں اس نے بیڈ کے سرہانے اٹھا کر ادھر ادھر پھینکے پھر سائیڈ کا دراز کھول کر دیکھا
 موبائل ہاتھ میں لیکر واپس بیڈ پہ بیٹھ گئی۔۔۔۔

ان باکس کھول کر آخری بار جس نمبر سے میسج آیا تھا۔۔۔ اس کو کھول کر ٹائپ کرنے لگی۔۔۔
 ”میرے بھائی کو شیشے میں کیسے اُتارا؟۔۔۔ کیا کیا گرا استعمال کئے ہیں؟۔۔۔ ایک مہینے بعد شادی کی بات
 کس نے کی تھی؟۔۔۔ منگنی تمہاری مرضی سے آج کے دن ہو گئی اب شادی تک ہوگی جب میں کہوں گی۔۔۔“
 پورا پیرا گراف لکھنے کے بعد فوراً سے بھیج بھی دیا کہیں دوپٹے کی تو زہن بدل لے گی۔۔۔
 فون وہیں بیڈ پہ پھینک کر کپڑے بدلنے چلی گئی۔۔۔۔



وہ اپنے ننگ ساڑ بیڈ کے کی نرمی میں اڑھاتر چھالینا ہوا تھا۔۔۔ گھر پہنچتے ہی وہ سیدھا اپنے کمرے میں آگیا
 تھا۔۔۔۔

نہ لباس بدلا یہاں تک کہ جوتے بھی ابھی تک پہنے ہوئے تھے۔۔۔
 آنکھیں موندھ کر سرہانے کو چہرے پہ رکھا ہوا تھا۔۔۔
 آنے والے پیغام کی گھنٹی سن لینے کے باوجود وہ ایک دم سے متوجہ نہیں ہوا۔۔۔
 انٹرکام کی بیل پہ اٹھا۔۔۔ ریسیور اٹھایا۔۔۔
 ”جی۔۔۔؟۔۔۔“

دوسری طرف دانیہ تھی۔۔

”تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟۔۔“

”نہیں۔۔۔ آپ بھی آرام کریں۔۔“

”دودھ کا گلاس بھجوادوں؟۔۔“

”نہ بالکل بھی نہیں۔۔۔“

”تم خوش ہو؟۔۔“

”یہ بھی بھلا پوچھنے والی بات ہے؟۔۔“

”ہے تو نہیں۔۔۔ جس طرح سے تم شیخمہ کو دیکھ کر سب کی موجودگی کو فراموش کر گئے تھے۔۔ تمہاری اس بے اعتیاری نے تمہارے دل کی حالت ظاہر کر دی تھی۔۔“

غازن میں نے اپنی گردن پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے دل ہی دل میں خود ہو کو سا۔۔

جبکہ دانیہ کہہ رہی تھی۔۔

”مگر واپسی پہ سارا راسخہ تمہارے چہرے پہ اس قدر گہری بنجیدگی تھی۔۔ مجھے تو فکری لگ گئی ہے۔۔ کیا واقعی خوش ہو؟۔۔“

”مجھ سے ایک وعدہ کریں۔۔“

”کیسا وعدہ؟۔۔“

”ایک مہینے کے اندر اندر شادی ہو جائے۔۔“

تم جلد باز نہیں ہو رہے۔۔۔

”کیا کوئی مسئلہ ہے؟۔۔“

”مسئلہ تو کوئی نہیں ہے۔۔ میں نے فری بھا بھی سے بات کی تھی انکا کہنا تھا تیاری تو ہو ہی جائے گی پر شائد شیخمہ کو تھوڑا اور وقت چاہیے ہو۔۔“

”دانیہ۔۔۔ ایک مہینے سے اوپر ایک دن بھی نہیں۔۔۔“

دانیہ خاموش ہو گئی۔۔۔۔۔

”مجھے بالکل بھی بھوک محسوس نہیں ہو رہی اب آرام کریں۔۔۔ میں بھی سونے لگا ہوں۔۔۔ شب بخیر۔۔۔“
ریسور کھ کر کپڑے بدلنے کی نیت سے اٹھ گیا۔۔۔

جیکٹ کی جیب سے فون اور والٹ نکال کر دراز میں ڈالتے ہوئے اسکوٹیج کا یاد آیا۔۔۔

یونہی کھرے کھرے فون کالا کھول کر نوٹیفیکیشن دیکھے سب سے اوپر نظر آنے والے نمبر کو دیکھتے ہی حیرت سے ماتھے پہ ہلکی سی تیوری آئی۔۔۔

”ان باکس کھول کر میسج پڑھا۔۔۔“

چہرے پہ پھیلی سنجیدگی میں رتی بھر فرق نہ پڑا۔۔۔

جبکہ انگلیاں ٹائپ کرنے میں مصروف ہو چکی تھیں۔۔۔

”پہلے مجھے مبارک باد دو۔۔۔ باقی باتیں بعد کی ہیں۔۔۔“

فون بیڈ سائیڈ پہ ڈال کر خود فریش ہونے چلا گیا۔۔۔

جب دس منٹ بعد واپس بیڈ پہ آیا۔۔۔

دوسری جانب سے جواب آچکا تھا۔۔۔

”میں نے جو سوال پوچھے ہیں انکے جواب دو۔۔۔ مبارکباد دینے یا لینے والا ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔۔۔“

”مبارکباد دینے والا تعلق کیا ہوتا ہے؟۔۔۔“

”مجھے نہیں پتہ۔۔۔ یا سر بھائی کو امپریس کیسے کیا ہے۔۔۔ کیونکہ بظاہر تو تم میں کوئی ایسی خوبی نہیں ہے“

”یا سر بھائی کو میں پسند آیا ہوں تو تم جلیس ہو رہی ہو؟۔۔۔ عام طور پہ تو لڑکیاں خوش ہوتی ہیں۔۔۔“

”ہاں اس صورت میں خوش ہوتی ہیں جب منیجٹر انکی پسند کا ہو۔۔۔“

”افسوس کہ تمہاری قسمت میں ایسی خوشی نہیں ہے ضیثمہ۔۔۔ تمہیں تو اب اسی ناپسندیدہ شخص کے ساتھ ہی گزارا

کرنا پڑے گا۔“

”یعنی تم میرے حال پہ رحم نہیں کھاؤ گے؟۔۔۔“

”میں پاگل نہیں ہوں۔۔۔“

”کیا اتنی جلدی شادی کی بات کے پیچھے بھی تمہاری ہی چلی ہے؟۔۔۔“

”اگر میری مرضی چلتی تو آج کی تاریخ میں تمہاری اور میری منگنی نہ ہوتی بلکہ اس وقت تم میری بیوی کی حیثیت

سے میرے گھر پہ موجود ہوتیں۔۔۔“

”اب جبکہ میری نہیں چلی تو تمہاری کیسے چلے گی؟۔۔۔“

”اگر میں انکار کر دوں تو؟۔۔۔“

”مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔۔ کیونکہ شادی پھر بھی تم ہی سے ہونی ہے۔۔۔“

”میرے انکار کے بعد کیسے ہوگی۔۔۔“

”تم نے انکار کرنا ہوتا تو پہلے ہی کر دیتی کس نے تمہاری کنپٹی پہ بندوق لکھی تھی۔۔۔؟۔۔۔“

دوسری جانب سے فوری کوئی جواب نہیں آیا۔۔۔

اُسے اونگ آنے لگی تھی جب دوبارہ ٹون بجی۔۔۔

نیم وا آنکھوں کے سامنے موبائل کی روشن سکرین کی۔۔۔

”خازن ایاز سچ ایک سوال کا جواب دے دو۔۔۔“

اُس نے جلدی سے لکھ بھیجا۔۔۔

”پوچھو۔۔۔“

چند سیکنڈ کے بعد جواب آیا۔۔۔

”میں ہی کیوں؟۔۔۔“

اُس نے جواب دیا۔۔۔

”تم کیوں نہیں؟۔۔۔“

”پہلے سے ایک شخص سے میری شائستگی رہ چکی ہے۔۔۔ کیا کرو گے ایسی عورت کا جس کے دل و دماغ پہ

کسی اور کا قبضہ ہو؟۔۔۔“

خازن کی نیند بھاگ گئی۔۔۔ اٹھ کر بیٹھ گیا۔۔۔ اور لگا لکھنے۔۔۔

”ایک شخص سے نکاح رہ چکا ہے ضیثمہ شاسانی نہیں۔۔۔ کم از کم اس لیول کی نہیں جس انتہا پہ تمہارا اور میرا تعلق جانا ہے۔۔۔ اور مجھے اپنی صلاحیت پہ اتنا تو یقین ہے کہ میں تمہارے دماغ کو صاف کر کے صرف اپنے بارے میں سوچنے پہ مجبور کر دوں گا۔۔۔۔۔

کیا ہوا اُنکے ساتھ گرہے رقیب
پھول کے ساتھ خار ہوتا ہے

اس دفعہ دوسری جانب سے جواب نہیں آیا۔۔۔ دس منٹ پندرہ منٹ۔۔۔ اس کے بعد خازن نے لکھ بھیجا۔
”عورت اتنا مت سوچو۔۔۔ بات اتنی سی ہے کہ۔۔۔ جس طرح تم ایک مردہ شخص کی محبت کا دم بھر رہی ہو۔۔۔ میں سوچنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔۔۔ زندوں کی کتنی پرواہ کرو گی۔۔۔ اور جس طرح سے اپنی سبزیوں کا خیال کر رہی ہو۔۔۔ اگر مال بنو گی تو اپنے بچوں کا کتنا خیال کرو گی۔۔۔ اگر میرے اس جواب سے بھی تسلی نہیں ملتی تو۔۔۔۔۔ بتا دینا۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔۔۔“

اُس نے آخری کیل ٹھونکا۔۔۔ اُس کے بعد فون چارجر پہ لگا کراٹ بند کی اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔
جلد ہی کمرے میں اُسکی متوازی سانس کی سرسراہٹ سنائی دینے لگی۔
اگلے دن آفس سے آتے ہی وہ یاسر بھائی کے سر ہو گئی
”یاسر بھائی میں یہ کیسا سُں رہی ہوں؟۔۔۔ آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔۔۔ وہ آدمی پہلے دن ہمارے گھر آیا۔۔۔ جو جو فرمائشیں اس نے کی آپ نے لسم اللہ کر کے تمام احکام کی بجا آوری کر دی۔۔۔ پر میں بتا رہی ہوں۔۔۔ یہ جو ہتھیلی پہ سروسوں جمائی جا رہی ہے نایں ہرگز بھی اسکا حصہ نہیں بننے والی۔۔۔“
یاسر بھائی اپنے بیڈ پہ بیٹھے آفس کی کسی فائل پہ جھکے ہوئے تھے۔۔۔ جب وہ آندھی طوفان کی طرح کمرے میں وارد ہوئی اور نان سٹاپ بولتی چلی گئی۔۔۔

یاسر بھائی حیران پریشان تاثرات کے ساتھ اسکی شکل دیکھتے رہ گئے۔۔۔
”ضیثمہ ایسا کیا ہوا ہے جو تم خلافِ فطرت ایک ہی سانس میں پورا مضمون سنائے جا رہی ہو۔۔۔ یہ الگ بات

ہے تمہاری تقریر میرے سر کے اوپر سے گزر گئی ہے۔ اب ذرا مہربانی کر کے سلیس اردو میں بھی بتا دو کہ آخر ہوا کیا ہے۔؟“

”بھائی میں مذاق کے موڈ میں ہرگز بھی نہیں ہوں۔۔۔“

”بچے میں کونسا آپ کو لطیفے سنارہا ہوں۔۔۔ ادھر تشریف رکھو۔۔۔“

انہوں نے ضمیمہ کو اپنے برابر بیڈ پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔۔

”میں بیٹھنے نہیں آئی ہوں۔۔۔ آپ بس مجھے یہ بتائیں آپ نے اس آدمی کی فیملی کے نئے مطالبے پہ ہاں

کیوں کی ہے؟۔۔۔“

”کس آدمی کی بات کر رہی ہو؟۔۔۔“

”آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کس آدمی کی بات کر رہی ہوں۔۔۔“

”غازن؟۔۔۔“

”شکر ہے آپ نے مجھے اس کا نام لینے پہ مجبور نہیں کیا ہے۔۔۔“

”اُس بچارے کی شامت کیوں بلارہی ہو۔۔۔“

”اسکی ماں اور بہن کے مطابق صاحبِ ذادے کو شادی کی بہت جلدی ہے۔۔۔“

”ہاں تو ہونی بھی چاہیے کیا بڑھاپے میں شادی کرے؟۔۔۔“

”جہاں اتنے سال چھڑا چھانٹ گھومتا رہا ہے دو چار ماہ اور نہیں گھوم سکتا تھا۔۔۔ اور آپ لوگوں کے تو میں

صدقے ہی جاؤں کل رات آنا فانا منگنی ہوئی ہے۔۔۔ اور ابھی اگلا دن ڈوبا بھی نہیں اور نیا بم پھوڑ دیا۔۔۔“

”بھئی اب تمہاری ہونے والی سُسرال شادی کی ڈیٹ چاہتی ہے تو ہم کیا کہہ سکتے تھے۔۔۔ غازن کا کہنا

ہے اس کو ملک سے باہر جانا ہے۔۔۔ اور جانے سے پہلے وہ شادی کرنا چاہتا ہے تاکہ تمہیں بھی اپنے ساتھ لے جاسکے۔“

”یاسر بھائی شادی رات کے رات ہو سکتی ہے۔۔۔ دوسرے ممالک کے ویزے پلیٹ میں رکھ کر عین وقت

پہ نہیں ملتے ہیں۔۔۔ میری ننھی ننھی نوکری ہے۔۔۔ میں چھٹی نہیں لے سکتی اور نہ ہی میں نوکری چھوڑنا چاہتی ہوں۔۔۔“

اسلیے آپ اپنے اس غازن کو کہہ دیں۔۔۔ شادی کم از کم دو ماہ بعد ہوگی اس سے پہلے نہیں اور اگر اس سے پہلے کرنی

ہے تو باخوشی کوئی اور لڑکی ڈھونڈ لے۔۔۔"

"ضیثی دو ماہ بعد بھی ہو ہونی تو شادی ہی ہے۔۔۔ پھر بچارے کو اتنا کیوں لٹکانا۔۔۔"

"آپ میرے بھائی ہیں یا اس آدمی کے؟۔۔۔"

"تمہارا ہی بھائی ہوں۔۔۔ جب رشتہ اچھا ہے۔۔۔ معقول آدمی ہے۔۔۔ پھر بلا وجہ کے بہانے کیوں ڈھونڈنا۔۔۔"

"سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے ہیں۔۔۔ بہن کی روٹی بھاری پڑ گئی ہے۔۔۔ جلد از جلد جان چھڑوانا چاہتے ہیں۔۔۔ ٹھیک ہے شادی کر دیں۔۔۔ پھر میں بھی ضیثمہ نہیں جو کبھی آپ کے گھر کی دہلیز پار کر گئی۔۔۔"

بھائی کو دھمکی دیکر جیسے جلدی جلدی آتی تھی ویسے ہی کمرے سے نکل گئی۔۔۔

یاسر بھائی نے سر ہاتھوں میں تھام کر گہری سانس خارج کی۔۔۔ ایک طرف وہ غازن کو منانے میں ناکام ہو رہے تھے۔۔۔ اور دوسری طرف ضیثمہ کا غصہ۔۔۔

انہوں نے بیڈ پہ رکھا اپنا موبائل اٹھا کر غازن کا نمبر ملا یا۔۔۔

تیسری بیل پہ دوسری جانب سے جواب موصول ہو گیا۔۔۔

"السلام علیکم یاسر بھائی کیسے مزاج ہیں؟۔۔۔"

"وعلیکم السلام۔۔۔ مزاج کی نہ پوچھو بھائی ابھی ابھی میری بہن مجھے جگہ سی تڑی لگا کر گئی ہے۔۔۔ تڑی سمجھتے ہو۔۔۔؟۔۔۔ دھمکی۔۔۔ دے کر گئی ہے کہ اگر تمہارے گھر والوں کے مطالبے پہ عمل کرتے ہوئے تم دونوں کی شادی میں نے ایک ماہ کے اندر اندر کر دی تو ضیثمہ عمر بھر میرے گھر میں پاؤں نہیں رکھے گی۔۔۔"

"یاسر بھائی میری ایک سے ڈانڈ نہیں ہیں۔۔۔ اسلیے آپکو بتا رہا ہوں۔۔۔ ایسی دھمکیاں بس دھمکیاں ہی ہوتی ہیں۔۔۔ آپ نے وہ تو سنائی ہوگا۔۔۔ جو گرجتے ہیں۔۔۔ وہ برستے نہیں۔۔۔"

"او بھائی اگر برس گئے تو پھر۔۔۔؟۔۔۔"

"پھر کیا؟۔۔۔ میں ہوں ناہر ہفتے اسکو آپکی طرف لے آیا کرونگا۔۔۔"

"یعنی تم نے اپنے موقف سے نہیں ہٹنا۔۔۔؟۔۔۔"

—۴—

”ایسی بات ہے تو میں خود اس سے مل کر معاملہ سلجھانا چاہوں گا۔۔۔“

”جی ضرور کیوں نہیں۔۔۔ ہمارے گھر کا پتہ تو تمہیں یاد ہی ہونا ہے۔۔۔ آنا کسی وقت ملاقات ہوگی۔“

”آپ اصل والی دعوت دے رہے ہیں یا طنزیہ کہہ رہے ہیں؟۔“

اس وقت تو جھنجھلا یا ہوا ہوں۔۔۔ میری ایک ہی بہن ہے خازن۔۔۔ اس کو ناخوش نہیں دیکھ سکتا ہوں۔۔۔"

”یا سر بھائی آپ ایک نرم دل انسان ہیں۔۔۔ بہن ایک ہے اگر ایک سے زیادہ بھی جو تیں آپ کا رویہ تب

بھی ایسا ہی ہونا تھا۔۔۔"

”تم مکھن بڑا لگاتے ہو۔۔۔“

”ہاں جی سچائی کا زمانہ نہیں ہے۔۔۔ پہلے آپ کی بہن اب آپ۔۔۔ متالیں جتنا تانا ہے۔۔۔ ایک دن میرا بھی

آتے گا۔۔ سارے بدلے لینے والا ہوں۔۔"

”ٹھیک ہے میں اپنی بہن کا ساتھ دیتا ہوں۔۔۔“

دوسری طرف سے خازن کا قبضہ گونجھا۔۔۔

”یا سر بھائی فاضل ورڈک دینے سے پہلے مجھے دو چار دن دیں۔۔۔ اگر جیت نہ ہوئی تو آپ کو فون کر کے

یتادوں گا۔۔ پھر جو بھی آپ کہیں وہی ہوگا۔۔"

"چلو یار پڑھ دیکھو اپنے منتر۔۔۔۔۔ پر میری بہن پہ جادوؤں نے تھوڑا کم ہی اثر کرتے ہیں۔"

”چلیں لگ جائے گا پتا۔۔۔ ہم نے بھی بال دھوپ میں سفید نہیں کئے ہوئے ہیں۔“

اب کی بارہنسنے کی باری یا سر بھانی کی تھی۔۔۔

”تمہارے سفید بال آنے میں ابھی کافی وقت ہے۔۔۔“

”اللہ آپ کی زبان مبارک کرے۔۔۔ ورنہ جس چکر میں کود پڑا ہوں۔۔۔ بڑھا پا قریب نظر آ رہا ہے۔۔۔“

یا سر بھائی ہنستے چلے گئے۔۔۔

”اگر اسکو علم ہو جائے تم اس طرح اسکے بارے میں چٹکلے چھوڑ رہے ہو۔۔۔ ہاں کرنے سے پہلے ہی نہ کر دے گی۔“
”کوئی نہیں جی چلانے دیں انکو جو جو تیر چلاتے ہیں۔۔۔ ہم بھی تو دیکھیں گے کتنا دم ان نازک بانہوں میں ہے۔۔۔“

”شاعری۔۔۔ چلو۔۔۔ مجھے اب اجازت دو۔۔۔ کال کر دینا جب بات کر لو۔۔۔“
”جی ضرور۔۔۔ آپ کے ساتھ بات کرتے ہوئے زبان پھسل جاتی ہے۔۔۔ اسلیے میرے کسی مذاق کا برا مت منائیے گا۔۔۔“

”اچھا بور مت کرو۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔“
جس وقت کال بند ہوئی خازن کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی
گارڈن چیمبر پہ براجمان تھمینہ کی نظر اور سماعت اپنے خور و پیٹے پہ ہی جمی ہوئی تھی۔۔۔
جوفن بند کرتے ہی انکی طرف آیا۔۔۔ وہ پوچھے بنا رہ سکیں۔۔۔
”سب خیریت۔۔۔؟۔۔۔“

”آپ دعا کر دیں۔۔۔ جو کوئی اونچ نیچ ہے نکل جائے گی۔۔۔“
”میری ساری دعائیں میری اولاد کے لیے ہی تو ہیں۔۔۔ مگر مجھے بتاؤ تو کوئی فکر والی بات تو نہیں ہے؟“
وہ آگے جھکا اور ماں کی پیشانی کا بوسہ لیا۔۔۔
”جب میری ماں کی دعائیں اور میری کوششیں شامل ہوں گی تو ماں فکریں کہاں نکلیں گی؟۔۔۔“

”اچھا مت بتاؤ۔۔۔ اللہ تمہاری ہر جائز دلی خواہش پوری کریں۔۔۔“
”نہیں دعا کریں۔۔۔ جا خازن جو تو چاہتا ہے تجھے وہی ملے۔۔۔“
”انشا اللہ میرے بیٹے کو مایوسی نہیں ہوگی۔۔۔“

”اب بتائیں ڈنگر پہ کرنا ہے یا کہیں باہر چلیں؟۔۔۔“

”باہر سے کھانا کھا کھا کر استراحت نہیں ہو۔۔۔؟۔۔۔ آج کہیں نہیں جا رہے۔۔۔ آرام سے بیٹھو میں اچھا سا ڈنگر گھر

پہ ہی کروائی ہوں۔۔۔"

"جیسے آپکی مرضی۔۔۔ آخر آپ باس ہیں۔۔۔ ہماری کیا مجال آپ سے اختلافِ رائے رکھیں۔۔۔"

"اچھا بس زیادہ ڈائیلاگ بازی مت کرو۔۔۔ بہن کو فون کر دو وہ بھی ڈنر میں شریک ہو۔۔۔ اور اگر اپنے گھر کے کسی معاملے میں مصروف ہو تو اصرار مت کرنا۔۔۔"

"جی اچھا۔۔۔ اور کچھ۔۔۔"

"اس فون کو کبھی اپنے ہاتھ سے رکھ بھی دیا کرو۔۔۔ جب دیکھو اسی میں مصروف ہوتے ہو۔۔۔"

وہ جو سو سے زیادہ سٹاف کو سنبھالتا تھا۔۔۔ حکم جاری کرتا تھا۔۔۔ اپنے گھر پہ ماں سے چھوٹے چھوٹے حکم یوں وصول کرتا جیسے زندگی کا اصل مقصد ہی یہی ہو۔۔۔

"ابھی کہہ رہی تھیں کہ دانیہ کو کال کروں۔۔۔ اب کہہ رہی ہیں فون رکھ دوں۔۔۔ آپ سوچ کر بتائیں چاہ کیا رہی ہیں۔۔۔"

تہمینہ نے ہنستے ہوئے جوس کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگا کر ایک سپ بھرا۔۔۔
جبکہ وہ کال ملانے لگا۔۔۔

مگر دانیہ کا نمبر ملانے سے پہلے فائو کے نمبر پہ پیغام بھیجا۔۔۔

"پتا کرو وہ صبح کس وقت گھر سے آفس جانے کے لیے نکلتی ہے۔۔۔"

جب تک دانیہ سے بات کی دوسری جانب سے جواب آیا۔۔۔

"سر آفس کی گاڑی ساڑھے آٹھ بجے انکے گھر کے باہر موجود ہوتی ہے۔۔۔"

"کس قسم کی سواری ہے؟۔۔۔"

"سر کیری ڈبہ۔۔۔"

"کیا کیلی جاتی ہے یا ساتھ اور بھی لوگ ہوتے ہیں۔۔۔"

"سر اپنی گلی سے وہ کیلی ہی جاتی ہیں۔۔۔"



”بھابھی میں نکل رہی ہوں۔۔“

”ایسے خالی پیٹ مت جانا۔۔ جلدی سے دو چار نوالے کھا لو۔۔“

”نہیں کھا سکتی نا پہلے ہی پورے پندرہ منٹ لیٹ ہوئی ہوں۔۔ باس پہ میرا کیا ایمپریشن پڑے گا۔۔ اور یہ سب اس شخص کی وجہ سے ہوا ہے۔۔“

”لو بھلا خازن بچا رہے نے کیا کیا ہے۔۔ کل سے ہر کام خود خراب کر رہی ہو۔۔ اور الزام میرے بھائی پر۔۔“

”بیٹھے بیٹھے فری میں ٹینشن پھیلا دی آپ کے بھائی نے اب کیا الزام بھی نہ دوں۔۔“

”خوامخواہ تم اتنی ٹینشن لے رہی ہو۔۔“

”ہاں آپ میاں بیوی کو ناپس بہن سے جان چھڑانی ہے۔۔ اور کچھ نہیں۔۔“

”اول فول بولے جاؤ۔۔“

”السلام علیکم۔۔ جاری ہو۔۔“

بھابھی اس کے پیچھے ہی آ رہی تھیں۔۔ مگر وہ قدموں کی رفتار تیز کرتے ہوئے چھپاک سے بیرونی گیٹ پارک گئی۔۔ بھابھی گہری سانس خارج کرتی واپس مڑ گئی۔۔

”نہ جانے اس لڑکی کا کیا بنے گا۔۔ یا اللہ اس کا دل نرم کر دیں۔۔“

مشیشمہ نے آج پھر ڈرائیو کو گاڑی سے باہر کھڑے دیکھا تو ماتھے پہ بل آ گئے۔۔ قریب آتے تیز لہجے میں بولی۔۔

”بھائی میرے مجھے بتاؤ آخر میں کس سلطنت کی ملکہ ہوں۔۔ جو ہر روز میرے لیے یوں دروازہ کھولتے اور بند کرتے ہو۔۔؟“

ڈرائیو ر شرمندہ ہونے کی بجائے نظرهاکا کر بولا۔۔۔

”میم یہ میری جاب کا حصہ ہے۔۔“

”اچھا تو جو اگلے سٹاپ سے تین لڑکیاں اٹھاتے ہوا انکے لیے دروازہ کیوں نہیں کھولتے۔۔؟“

اسکا پہلے ہی دماغ گھوما ہوا تھا۔۔۔

”میم وہ صرف فارمیٹی ہیں۔۔ میری ڈیوٹی صرف آپ کے ساتھ ہے۔۔“

”آج احمد سر سے بات ہو کر رہے گی۔۔۔ پیچھے ہنومت میں دروازہ خود بند کر لوں گی۔۔“

ڈرائیور پیچھے ہو گیا۔۔۔

اس لمحے وہ چونکی۔۔۔ اس ڈرائیور کا ہر انداز بڑا سلجھا ہوا ہوتا تھا۔۔۔ ابھی بھی ہاتھ باندھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا۔۔۔ عام طور پر ڈرائیور ایسے سلجھے نہیں ہوتے۔۔۔

اُس کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے دروازہ بند کیا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔۔۔

راستے میں دوسری لڑکیوں کو پک نہ کیا تو وہ یہی سمجھی شاید لیٹ ہو گئی ہے اس لیے دوسری لڑکیاں یقیناً چلی گئی ہوں گی۔۔“

مگر گاڑی آفس تک گئی ہی نہیں۔۔۔ ایک پارک کے باہر رک گئی۔۔۔ ڈرائیور سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ پڑی کہ ادھر کیوں رُکے ہو۔۔۔ کیونکہ کھڑی کہ دوسری جانب ہی تو وہ کھڑا نظر آیا تھا۔۔۔

سفید بے داغ شلوار سوٹ آنکھوں پر سیاہ چشمہ۔۔۔ دونوں ہاتھ کمر پر باندھے یوں کھڑا تھا جیسے سارا لاہور اسی کی ماتحت ہی تو چلتا ہو۔۔۔

منیشمہ کے دماغ میں پہلا سوال یہی آیا۔۔۔ کیا اس نے میرے ڈرائیور کو پیسے دیکر ادھر آنے کا بولا ہے؟

ڈرائیور گاڑی سے نکل گیا۔۔۔

منیشمہ کو اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔۔۔ ڈرائیور نے خازن کو سر کہہ کر مخاطب کیا تھا۔۔۔

”السلام علیکم سر۔۔۔“

خازن نے سر ہلا کر جواب دیا۔۔۔ اور وہ ڈرائیور ایک طرف کو چل پڑا۔۔۔

منیشمہ نے سامنے دیکھا۔۔۔ جہاں پہ یقیناً خازن کی گاڑی کھڑی تھی۔۔۔ مگر اس گاڑی کے ساتھ کھڑے شخص کو دیکھ کر منیشمہ کو مزید حیرت ہوئی کیونکہ وہ اسکو پہچان گئی تھی۔۔۔ جاب کے لیے جب انٹرویو دینے گئی تھی۔۔۔ اس وقت اسی لڑکے نے وہاں موجود دوسرے دولوگوں کو زیادہ سوال و جواب نہیں کرنے دیئے تھے۔۔۔

خازن نے دروازہ کھولا۔۔۔

”السلام علیکم۔۔۔ تمہارے چہرے پہ لکھا ہوا ہے کہ مجھے دیکھ کر تمہیں رتی بھر خوشی نہیں ہوئی۔۔۔“

ضیثمہ نے کوئی جواب نہ دیا۔۔۔ اپنے اندر اٹھتے ابال کو قابو کرنے کے چکر میں دوسری طرف چہرہ موڑ کر آتی جاتی ٹریفک گننے لگی۔۔۔

”کیا سلام کا جواب بھی نہیں دینا؟۔۔“

ضیثمہ کے انداز میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔۔۔

”بات چیت سے شکوے دور ہو جاتے ہیں۔۔۔“

ضیثمہ اپنے دماغ میں چیختی۔۔۔

”بات چیت کے لیے تعلق کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔“

”غصہ چھوڑ کر صلح کر لو۔۔۔ ورنہ اگر میں نے تمہاری اس گیم کا حصہ بننے کا فیصلہ کر لیا تو رات تک یہیں بیٹھی رہو گی“

”کیوں۔۔۔؟۔۔۔ کیا آج تمہارے بزنس کو تمہاری ضرورت نہیں رہی۔۔۔؟“

وہ ہنکاری اور وہ شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے مسکرایا

”آخر تم نے حُپ تو توڑی۔۔۔ اور رہاں تمہارا سوال تو کس نے کہا میں اپنے بزنس سے غافل ہوں۔۔۔ اس

وقت بھی اپنے ہی مفاد پر کام کر رہا ہوں۔۔۔“

”انتہائی بڑے شخص ہو۔۔۔“

”نہ نہ ابھی نہیں۔۔۔ مجھے پوری طرح جان لو پھر یہی رائے دو گی تو مزا آئے گا۔۔۔“

”سنائی ہو گا۔۔۔ فرسٹ ایمپریش ازلاٹ ون۔۔۔“

”مگر تم پہ میرا فرسٹ ایمپریشن تو کافی اچھا تھا۔۔۔“

”کافی نہیں پڑھیک ہی تھا۔۔۔ اور مبارک ہو تم نے وہ بھی ختم کر دیا ہے۔۔۔“

”مجھے امپریشن بنانے میں کبھی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔۔۔ صرف وقت چاہیے۔۔۔ جو تم مجھے دینے پہ تیار

نظر نہیں آ رہی ہو۔۔۔“

”وہ جو آدمی تمہاری گاڑی کے پاس گھڑا ہے وہ کون ہے؟۔۔۔“

غازن نے گردن موڑ کر ایک نظر فائزہ ڈالی۔۔۔ پھر مسکراہٹ سمیت بولا۔۔۔

”میرا پی اے ہے۔۔۔“
ضیثمہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔۔۔

”تمہارا پی اے؟۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ ہراس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے۔۔۔؟۔۔۔“

”نہیں بھلا حیران ہونے والی کیا بات ہوگی ایسے اتفاق تو میری زندگی میں ہر دوسرے دن ہوتے ہیں۔۔۔ اب براہ کرم یہ بھی بتادو اس ڈرائیور کو تم پہلے سے نہیں جانتے ہو؟۔۔۔“

غازن کی مسکراہٹ ذرا اور گہری ہوئی۔۔۔

”وہ سالوں سے میرا ڈرائیور ہے۔۔۔“

”غازن ایاز پہلی اور آخری مرتبہ پوچھ رہی ہوں۔۔۔ تم میرے ساتھ کیا گیم کھینا چاہ رہے ہو؟۔۔۔“

ضیثمہ کا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا۔۔۔

”میں تمہارے ساتھ کوئی گیم نہیں کھیل رہا ہوں۔۔۔ احمد میرا دوست ہے۔۔۔“

”تو کیا تمہارا پی اے اور ڈرائیور تمہارے دوست کے آفس کے سٹاف کو یونی اپنی خدمات پیش کرتے ہیں؟“

غازن نے نفی میں سر ہلایا۔۔۔

”نہیں ایسا پہلی دفعہ ہی ہوا ہے۔۔۔“

”تم بتانا پسند کرو گے ایسا کیوں ہوا ہے۔۔۔؟۔۔۔“

وہ انتہائی سنجیدہ تھی۔۔۔

”تمہاری وجہ سے۔۔۔“

وہ کچھ بولے بغیر مسلسل گھورے جا رہی تھی۔۔۔

”جاننا چاہ رہی ہو۔۔۔ آجاؤ گاڑی میں چلتے ہیں۔۔۔ راستے میں تمہیں ڈراپ بھی کر دوں گا۔۔۔“

”مجھے تمہارے ساتھ مزید کہیں نہیں جانا ہے۔۔۔ میرے سوالوں کے جواب دے دو۔۔۔ اور اپنا راستہ ناپو“

انگوٹھی والا ہاتھ دوپٹے کے نیچے چھپاتے ہوئے کہہ دیا۔۔۔

"ضیغمہ میرے ساتھ چلو۔۔۔ ورنہ مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے تمہارے ساتھ اسی سواری میں بیٹھ کر گھر تک چلا جاؤنگا۔۔۔ پر اس صورت میں ڈرائیور باآسانی ساری گفتگو سنے گا۔۔۔ جبکہ اپنی گاڑی میں پرانی بیوی ہے۔۔۔"

وہ طنزیہ بولی

"وہاں تمہارا پی اے ہے۔۔۔ کیا وہ نہیں سنے گا۔۔۔"

"فائر ڈرائیور کے ساتھ جائے گا۔۔۔ اور اگر وہ سن لے تب بھی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ پہلے سے سب سچ جانتا ہے۔۔۔"

"کیا تم مجھ پر اک احسان نہیں کر سکتے؟۔۔۔"

"اگر تو یہ احسان یہ ہے کہ میں جو بات کہنے آیا ہوں وہ کہے بغیر تمہیں تمہارے راستے جانے دوں تو معذرت قبول کرو۔۔۔ کیونکہ جو کہنے آیا ہوں وہ کہے بغیر نہیں جاؤنگا۔۔۔"

"تم جیسا ڈھیٹ انسان میں نے اپنی ساری عمر میں نہیں دیکھا۔۔۔ ہو آگے سے تاکہ میں نیچے اتر سکوں۔۔۔"

غازن مسکراتے ہوئے ناصر ف پیچھے ہو کر کھڑا ہوا بلکہ ہاتھ بڑھا کر اسکو اتارنے میں مدد پیش کی۔۔۔

جسے وہ مکمل انگوڑ کرتے ہوئے اتر آئی۔۔۔ ساتھ ہی پوچھا۔۔۔

"اب۔۔۔؟۔۔۔"

"ہاتھ پکڑ لینا تھا۔۔۔ قسم کھا سکتا ہوں کہ مجھے اچھوت بالکل نہیں ہے۔۔۔"

"استغفر اللہ۔۔۔"

"سچ کہہ رہا ہوں۔۔۔"

"کہنے کو کچھ نہیں بچا جو التماسیدھا بول رہے ہو۔۔۔"

"میرے پاس کہنے کو بہت کچھ ہے مگر اصل مسئلہ یہ ہے تم گھر سے ارادہ کر کے نکلی ہو میری کہ ہر بات کو التماسیدھا بول کر جان چھڑوا لوگی۔۔۔"

"ماشاء اللہ آپ تو کافی سمجھدار واقع ہوئے ہیں۔۔۔"

"جی آپکی ذرہ نوازی ہے۔۔۔ ورنہ خادم کی بھلا کیا اوقات۔۔۔ پلیز تشریف لائیے۔۔۔"

وہ نظریں گھمائی اسکے پیچھے چل پڑی۔۔۔ جیسے ہی وہ دوسری گاڑی کے قریب ہوئے۔۔۔

فائز نے جھٹ سلام مارا۔۔

”السلام علیکم میم۔۔۔“

ضیثمہ نے پہلے اچھی طرح گھورا پھر ہلکے سے سر ہلا کر جواب دیا۔۔۔

خازن مسکراہٹ چھپاتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔۔ فائز نے ضیثمہ کے لیے فرنٹ پیئجر سیٹ کا

دروازہ کھولا۔۔۔

ضیثمہ نے سوچا سین کر نیٹ کرنے کا کیا فائدہ۔۔۔ دو ٹوک بات کرنا ضروری تھا۔۔ اس لیے وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔

فائز وہیں سے مرگیا۔۔ خازن نے گاڑی آگے بڑھادی۔۔۔

کتنی دیر تک خاموشی چھائی رہی مگر جب ضیثمہ لوجسمجھ آئی کہ وہ کہاں جا رہا تھا۔۔۔ پہلو بدل کر رہ گئی۔۔۔ جبکہ وہ

بیرونی گیٹ کے باہر گاڑی روکتے ہوئے کبہ رہا تھا۔۔

”کل یہاں پہ ہماری اچھی گپ لگی تھی۔۔ سوچا آج بھی یہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔۔“

”کیا میں تمہارے دفتر میں کام کرتی ہوں؟۔۔“

اس اچانک بمباری پہ خازن نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے جواب دیا۔۔۔

”نہیں۔۔۔ مگر میں وہاں ففٹی پرسنٹ کا شیئر ہولڈر ضرور ہوں۔۔۔“

”تم ڈرامے۔۔۔ کمرشلز وغیرہ بناتے ہونا؟۔۔۔“

”ہاں۔۔۔“

”تو تمہارا پبلشنگ ہاؤس میں پارٹنر ہونے کا کیا مطلب ہے۔۔؟۔۔۔“

”مطلب تو کوئی نہیں ہے۔۔۔ یہ ایک انویسٹمنٹ ہے۔۔۔ اور بس۔۔۔“

”جس دن میرا انٹرویو ہوا۔۔ اس دن کے بعد تمہارا اپنی اے دوبارہ کبھی یہاں نظر کیوں نہیں آیا۔۔؟۔۔۔“

”کیونکہ وہ یہاں کام نہیں کرتا ہے۔۔۔“

”تو پھر انٹرویو والے دن یہاں کیوں تھا؟۔۔۔“

”اُس دن وہ میرے ساتھ ادھر آیا تھا۔۔۔ اور پھر تم وہاں نظر آئیں۔۔۔ اس بات کا یقین کرنے کے لیے کہ تمہیں وہ نوکری ضرور ملے مجھے فائز کو ادھر چھوڑ کر جانا پڑا۔۔۔“

”ایسا کیوں ہوا۔۔۔؟۔۔۔“

خازن اس کے دروازے کے بیچ بیچ کھڑا تھا۔۔۔ دونوں کی نظر ملی تو وہ دھیرے سے بولا۔۔۔

”مے بی لوائٹ فرسٹ سائیٹ۔۔۔ (ہو سکتا ہے۔۔۔ پہلی نظر کی محبت ہو گئی ہو۔۔۔)۔۔۔“

”مسٹر خازن کیا میرے سینک نکلے ہوئے ہیں۔۔۔؟۔۔۔“

خازن نے پوری ایکٹنگ کرتے ہوئے اس کے سر کے دونوں جانب دیکھا۔۔۔

”نہیں بالکل نہیں نکلے ہیں۔۔۔“

”کیا میری شکل پہ بڑے بڑے لفظوں میں لکھا ہوا ہے کہ میں عقل سے پیدل عورت ہوں؟۔۔۔“

”نہیں چہرے پہ تو اس وقت بس یہی لکھا ہوا ہے کہ حسین عورت شدید غصے میں ہے۔۔۔“

”مجھے سچ جانا ہے۔۔۔“

”سچ بہت آسان ہے۔۔۔ احمد میرا دوست ہے۔۔۔ جس سے ملنے اس دن اس کے آفس جانا ہوا۔۔۔ تمہیں

وہاں دیکھا۔۔۔ دل نے کہا یہ یہاں کیا کر رہی ہے۔۔۔ اس کو میرے گھر پہ ہونا چاہیے۔۔۔ میں پیچھے رہ گیا میری می نمبر

لے گئیں۔۔۔ کیونکہ ان کو بھی بیٹے کے لیے وہی لڑکی پسند آ گئی جو بیٹے کو پہلے ہی پسند ہے۔۔۔“

وہ کتنی دیر تک اپنے اندر کا غصہ دباتی رہی پھر مستحکم لہجے میں بولی۔۔۔

”اگر تم مجھے کہتے تاکہ زمین کے چار کونے ہیں۔۔۔ اور ہر کونے پر ایک تاج محل تعمیر ہے۔۔۔ تو میں تمہاری

بات مان جاتی کہ چلو ہو سکتا ہے سچ بول رہا ہو۔۔۔ مگر یہ جو کہانی تم سن رہے ہو نا۔۔۔ یہ بغیر سر پیر کے ہے۔۔۔“

”تمہیں ایسا لگ رہا ہے کیونکہ تم خود کو اس قابل سمجھتی ہی نہیں ہو کہ کس پہ کوئی آدمی اور اس کی ماں ایک ہی وقت

میں فدا ہو جائیں۔۔۔ سٹاپ انڈر اسٹیمپنگ یور سیلف۔۔۔“

”عجیب آدمی ہو۔۔۔ میں مغرب کی بات کر رہی ہوں۔۔۔ تم شمال کو جا رہے ہو۔۔۔“

”تمہیں اعتراض کس بات پہ ہے؟۔۔۔ میرا تمہیں پسند کرنے پہ؟۔۔۔ می کے رشتہ طہ کرنے پہ؟۔۔۔ میرے

http://sohnidigest.com

تمہیں منگنی کی انگوٹھی پہنانے پر۔۔۔ یایوں جلدی میں شادی کی بات کرنے پر۔۔۔؟

"ایف سے یے۔۔۔ تک ساری کہانی پر ہی اعتراض ہے۔۔۔"

"وجہ۔۔۔؟۔۔۔"

"آئی کو میں پسند آگئی ہوں۔۔۔ مان لیا۔۔۔ کیونکہ ہوتا ہے ایسا مائیں اپنے بیٹوں کے لیے لڑکیاں دیکھتی ہیں۔۔۔ ہد اب وہی لڑکی بیٹے کو بھی پسند آتی ہے۔۔۔ نو کری دلوائی ہے۔۔۔ اپنا ڈرائیور میری خدمت کو پیش کیا ہوا ہے۔۔۔ واہ۔۔۔ سچ مجھ واہ کیا خوب۔۔۔ مری نہ جاؤں میں اپنی خوش قسمتی پر۔۔۔"

"سچ ہی ہے ضیثمہ دیکھنا فقط یہ ہے کہ اب تم اس سچ کو قبول کرنے میں کتنا وقت لیتی ہو۔۔۔"

"پھر بھی ایک مہینے بعد شادی کروانے پر ہاں نہیں کرونگی۔۔۔"

غازن نے ڈیش بورڈ کا خانہ کھولا اور ایک پیکٹ ضیثمہ کی گود میں ڈال دیا۔۔۔

"یہ کیا ہے؟۔۔۔"

"کھول کر دیکھ لو۔۔۔"

وہ ابھی تک گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھی اور وہ اس کے دروازے میں جم کر کھڑا تھا۔۔۔

ضیثمہ نے اس فائل کو کھول کر اس میں نظر آنے والے پیر زکو پڑھا۔۔۔

سب سے اوپر جہاز کے دو ٹکٹ تھے۔۔۔ مسٹرائنڈ مسز ضیثمہ غازن کے ناموں سے ضیثمہ کی نظریں پھیل گئیں۔۔۔

"ابھی شادی ہی نہیں ہوئی پھر میرا نام ایسے کیوں لکھا ہے۔۔۔"

"ٹکٹ کی ڈیٹ پڑھو۔۔۔ جو تاریخ ملے ہوئی ہے۔۔۔ یہ ٹکٹ اس کے بعد کے لیے بک ہیں۔۔۔"

تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے نیچلے پیر زکال کر نظروں کے سامنے کھتے۔۔۔

"پیرس کے ایک ہوٹل کی بکنگ کا کنفرمیشن لیٹر تھا۔۔۔ اسی طرح دہلی کا۔۔۔"

"تمہیں یہ سب اس لیے عجیب لگ رہا ہے کیونکہ یہ تمہاری روٹیں کا حصہ نہیں ہے۔۔۔ مگر میرے ایک سال میں کبھی ٹپ ہوتے ہیں۔۔۔ اور مجھے اپنے کام آخری لمحات پہ ڈالنے کی عادت نہیں ہے۔۔۔ تمہارا پاپورٹ بننے کو

دیا ہے۔ جو کل شام تک ملتا ہے۔ اس کے بعد ویزے کے لیے جمع ہو گا۔۔۔ امید یہی ہے کہ ایک ہفتے کے اندر تمہارے تمام پیپر تیار ہوں گے۔۔۔

"ایسے کیسے ایک ہفتے میں ویزا مل سکتا ہے؟۔۔۔"

خازن دھیمے سے مسکرایا۔۔۔

"پیسہ۔۔۔ نام۔۔۔ اعتبار۔۔۔ بس یا اور کچھ بتاؤں۔۔۔؟۔۔۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔۔۔ جانتے ہو میری کو لیگ ہے۔۔۔ اس کامیاں فارن میں ہے۔۔۔ اس لڑکی نے پچھلے ایک سال سے ویزے کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے۔۔۔ ابھی تک اس کو کوئی جواب نہیں ملا۔۔۔"

"وہ سٹیل منٹ کا کیس ہے۔۔۔ ایسے کیس وقت لیتے ہیں۔۔۔ جبکہ ہم لوگ سیر کے لیے جا رہے ہیں۔۔۔ ہمارا انہوں نے بینک اکاؤنٹ دیکھنا ہوتا ہے۔۔۔ ہمارا کاروبار وغیرہ اور بس۔۔۔"

"خازن ایاز صاحب یہ جو وجوہات آپ نے پیش کی ہیں۔۔۔ ان میں اتنا دم نہیں ہے کہ میں فوراً سے آٹھیں بیچ کر ہاں کر دوں۔۔۔ اب آپ مجھے میرے گھر چھوڑ رہے ہیں۔۔۔ یا میں آٹو پکڑوں۔۔۔؟۔۔۔"

"یعنی اتنی آسانی سے نہیں مانو گی۔۔۔"

"سمجھ ہی گئے۔۔۔"

"جی بہت اچھی طرح۔۔۔"

وہ اسی پل شیشمہ کا دروازہ بند کرتا۔۔۔ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال گیا۔۔۔

اگلے کچھ منٹ پھر خاموشی میں کٹے۔۔۔ جب وہ رہ نہ پائی تو بول پڑی۔۔۔

"یہ راستہ میرے گھر کو نہیں جاتا ہے۔۔۔"

"تمہیں چونکے گھر جانے کی بہت جلدی ہے۔۔۔ اس لیے شارٹ کٹ راستے سے جا رہا ہوں۔۔۔ تاکہ جلد از جلد تمہیں تمہاری منزل تک پہنچا دوں۔۔۔"

پھر وہ کچھ نہیں بولی۔۔۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس کو اپنے گھر لے جائے گا۔۔۔

گیٹ کے سامنے ہارن دیا دوسرے پل گیٹ وا ہو گیا۔۔۔

ضیثمہ کا ہاتھ بے اعتیاری میں اسکے سیڑنگ و ہیل تھا مے ہاتھ پر رکھا۔۔۔

”ادھر کدھر لے آئے ہو۔۔۔؟“

”میں نے سوچا تمہیں تمہاری ساس سے ملواتا چلوں۔۔۔“

”ہائے میں مر جاؤں۔۔۔ اتنا بڑا دھوکا۔۔۔ خازن ایاز تمہیں ذرا خیال نہ آیا۔۔۔ وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گی۔۔۔ لڑکی خود ہی چل کے گھر آگئی۔۔۔ وہ بھی اتنی صبح وہ بھی تمہاری ہمراہی میں۔۔۔ ہائے انکا سامنا کرنے سے پہلے مجھے بس موت ہی آجائے۔۔۔ کئے انسان تم ایک کام نہ میدھا کر پائے۔۔۔ میں ہرگز اندر نہیں جاؤنگی۔۔۔“

وہ اسکے فق پڑتے چہرے کو دیکھ کر دھیرے سے مسکرایا۔۔۔

”کوئی بات نہیں مئی ادھر آ کر مل لیں گی۔۔۔“

”میرا جی چاہ رہا ہے میں تمہیں موٹی موٹی گالیاں دوں۔۔۔ تمہیں مار مار کر تمہارا حلیہ بگاڑ دوں۔۔۔“

ضیثمہ کی دھمکیوں کے جواب میں خازن کا ہتھ بے ساختہ تھا۔۔۔

”چلو آؤ۔۔۔ اندر چلیں۔۔۔“

ضیثمہ نے دونوں آنکھیں میچ کر بچوں کی طرح زور زور سے نفی میں گردن ہلائی۔۔۔

خازن کے دل نے بیٹ مس کی۔۔۔

”یا اللہ یہ آدمی میری کس غلطی کی سزا ہے۔۔۔“

خازن نے اس دفعہ بڑی مشکل سے ہتھ بے گلا د بایا۔۔۔

”کسی نیکی کا انعام بھی تو ہو سکتا ہوں۔۔۔“

”صدقے جاؤں۔۔۔ انعام کب سے ایسے ہونے لگے۔۔۔“

خازن ہنسی روک نہ پایا۔۔۔

”ایسے سے کیا مطلب ہے؟۔۔۔ کیا میری دوا آنکھیں نہیں ہیں۔۔۔؟۔۔۔ دو عدد دکان نہیں ہیں؟۔۔۔ ناک نہیں

ہے۔۔۔؟۔۔۔“

”اوہ تو یوں بولنا کہ اپنے نین نقش کی تعریف سنا چاہ رہے ہو۔۔“

”تم گاڑی سے نکل رہی ہو یا کہ اٹھا کر نکالنا پڑے گا۔۔“

”ایک ڈیل کر لیتے ہیں۔۔۔“

”کیسی ڈیل۔۔؟۔۔“

”تم مجھے اندر جانے کا مت بولو۔۔۔ واپس گھر چھوڑ آؤ۔۔۔ جواب میں تمہاری بات مان لوں گی۔۔۔“

غازن نے بھنبیو میں اچکائے۔۔۔

”اتنی جلدی ہار مان رہی ہو۔۔۔“

”اسکو مصلحت کہتے ہیں۔۔۔ مصلحت۔۔۔ آنتی نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو کیا سوچیں گی۔۔۔ اس شرمندگی سے

بچنے کے لیے تمہارا مطالبہ ماننا بہتر ہے۔۔۔“

”مئی کو تمہیں یہاں دیکھ کر بے انتہا قسم کی خوشی ہوئی ہے۔۔۔ آنکا سیروں خون بڑھ جانا ہے۔۔۔ میرے

الفاظ پہ یقین نہ ہو تو آزما کر دیکھ لو۔۔۔“

ساتھ ہی گردن موڑ کر تھوڑی دور کھڑے ملازم سے مخاطب ہوا۔۔۔

”اندر مئی کو بتاؤ۔۔۔ خاص مہمان آئی ہیں۔۔۔“

”غازن پلیز ایسا نہ کرو۔۔۔“

”ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ ہم آدم خور لوگ نہیں ہیں۔۔۔“

”اگر آنتی کو برا لگا تو میں کبہہ دوں گی۔۔۔ میں خود سے نہیں آئی ہوں۔۔۔ یہ آدمی مجھے زبردستی لیکر آیا ہے۔۔۔“

غازن نے مسکراتے ہوئے اپنا سیدھا ہاتھ آگے کیا۔۔۔

اس دفعہ اس نے اسکا ہاتھ اگتور نہیں کیا۔۔۔ تھام کر گاڑی سے اتر آئی۔۔۔

جس پہ غازن نے ہلکی سی سرگوشی کی۔۔۔

”تھینک یو۔۔۔“

ضیثمہ نے ہاتھ چھوڑ دیا۔۔۔ اور اپنے کپڑوں سے نہ نظر آنے والی سلوٹیں ٹھیک کرنے لگی۔۔۔ دوپٹہ درست

کیا۔۔۔ اتہا سے زیادہ نروس ہو رہی تھی۔۔۔ کہ یہ بھی بھول گئی غازن کے ساتھ ابھی اتنی صلح نہیں ہے۔۔۔ اور پوچھنے لگی۔۔۔

”کیا میں ٹھیک لگ رہی ہوں۔۔۔“

وہ چونکا۔۔۔ زکا۔۔۔ مسکرایا۔۔۔ اور اسکو دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔

”ایک دم پرفیکٹ۔۔۔“

”جھوٹ بول رہے ہو۔“

”اب یہ تو نہیں کہہ سکتا ہوں۔۔۔ میری آنکھوں میں دیکھ کر جان لو سچ بول رہا ہوں۔۔۔“
اس پہ میٹھمہ کے لب مسکرا اٹھے۔۔۔

”ہاں یہ تو ہے۔۔۔“

ابھی وہ لاؤنچ کے دروازے تک پہنچے تھے۔۔۔ جب دروازہ ایک دم وا ہوا۔۔۔
”میں صدقے میں داری۔۔۔ میری آنکھیں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہی ہیں۔۔۔؟“

”دیکھ لیں آپکی بہو کو آخر پکڑ لایا ہوں۔۔۔ اب جانے مت دیجئے گا۔۔۔“

تھمینہ آٹنی نے اسکو کتنی دیر تک اپنے ساتھ لگائے رکھا۔۔۔ پھر پیشانی چومی۔۔۔

وہ لوگ آگے بڑھنے لگے تو وہیں دروازے میں روک دیا۔۔۔

”نہ ایسے نہیں ادھر ہی رکو۔۔۔ جب تک میں نہ کہوں۔۔۔ دلیز پارت کرنا۔۔۔“

وہیں کھڑے ہو کر ملازمہ کو مختلف ہدایتیں دینے لگیں۔۔۔

ملازمہ نے انکی مطلوبہ چیزیں مہیا کیں

پہلے دونوں پر سے پیسے وارے پھر دلیز پر دونوں جانب چند قطرے تیل گرایا۔۔۔ پھر اندر آنے دیا۔۔۔

غازن صرف مال کے چہرے کو دیکھے جا رہا تھا۔۔۔ جہاں خوشی روشنی بن کر بکھری ہوئی تھی۔۔۔

”ادھر بیٹھو بیٹی۔۔۔ مجھے بتاؤ کیسے آج تمہیں خیال آیا کہ ماں کو مل آؤ۔۔۔ مجھے تو ابھی تک یقین ہی نہیں آ رہا

تم سچ مچ آئی ہو۔۔۔ کیا کھاؤ گی؟۔۔۔“

ضیثمہ نے شکر کیا کہ سوال کا جواب مانگنے کی بجائے وہ بات آگے بڑھا گئی تھیں۔۔۔

”مئی ہماری طرح اس نے بھی ابھی ناشتہ نہیں کیا ہے۔۔۔“

”زبردست پھر آج ہم لوگ مل کر ناشتہ کرتے ہیں۔۔۔“

انہوں نے ملازمہ کو اشارہ کیا۔۔۔

”پہلے سکی کا تازہ جوس لیکر آؤ۔۔۔ اس کے بعد عمدہ قسم کا ناشتہ تیار کرو۔۔۔“

”جی بہتر نیگم صاحبہ۔۔۔“

اتنا پوش قسم کا گھر کا ڈیکور پر اس میں بیٹے والی یہ عورت اتنی ملنسار اور جھک کر ملنے والی۔۔۔

ضیثمہ اپنی جگہ سمٹی سی بیٹھی تھی۔۔۔

”دانیہ آپ اپنے گھر ہیں؟۔۔۔“

”ہاں کل رات آئی تھی۔۔۔ ڈنر کے فوراً بعد چلی گئی۔۔۔ ذہاد اسکا میاں اسکی طبعیت کچھ ناماں تھی۔۔۔ ایک دو

مزید ادھر ادھر کی باتوں کے بعد تھمینہ نیگم خازن سے مخاطب ہوئیں۔۔۔

”میرے گھٹنے اجازت نہیں دیں گے ورنہ میں بخوشی ضیثمہ کو گھر دکھاتی۔۔۔ خازن اٹھو تم ضیثمہ کو گھر دکھاؤ

۔۔۔ تب تک ناشتہ بھی لگ جائے گا۔۔۔“

”نہیں اسکی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ پھر کبھی صحیح۔۔۔“

”مئی یہ آپ سے شرماری ہے ورنہ ابھی گاڑی میں مجھے کہہ رہی تھی اتنے پیارے گھر کا ماسٹر بیڈ روم تو دیکھنے

کے قابل ہو گا۔۔۔“

ضیثمہ کا منہ حیرت و شرمندگی کے مارے کھلا رہ گیا۔۔۔

تھمینہ نے خازن کو گھوری سے نوازتے ہوئے سرخ پڑتی ضیثمہ کو ساتھ لگایا۔۔۔

”خازن میری بیٹی کو تنگ مت کرو۔۔۔“

”اچھا جی اور آپکی بیٹی جو مجھے تنگ کر رہی ہے اسکا کیا۔۔۔“

ضیثمہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔۔۔

”آہنی میں شکریہ کے ساتھ اپنی آفر قبول کرتی ہوں۔۔۔ اگر غازن کو اعتراض نہ ہو تو میں گھر دیکھنا چاہوں گی۔“

”لو بھلا اسکو کیوں اعتراض ہونا ہے۔۔۔ جاؤ۔۔۔ غازن ضیثمہ کو گھر کا ٹور دو۔۔۔“

”جی جو حکم۔۔۔ آئیے محترمہ تشریف لائیے۔۔۔“

وہ آگے چل پڑا ضیثمہ جھوٹی مسکراہٹ سجاتے اس سے دو قدم پیچھے تھی۔۔۔ اور تہمینہ بیگم دل نظروں میں لیے انکو جاتا دیکھ رہی تھیں۔۔۔

جیسے ہی نظروں سے دور ہوئے ضیثمہ نے سارے لحاظ بھلا کر غازن کی خبر لے ڈالی۔۔۔

”افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے۔ تم انتہائی لوفرانسان ہو۔۔۔“

”ہائے پہلی دفعہ کسی نے مجھے پہچانا ہے۔۔۔ ورنہ اب تک لوگ شریف ہی سمجھتے آئے ہیں۔۔۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتی ہو کہ یہ بات کس قدر سکون دے رہی ہے کہ تم جان گئی ہو کہ میں لوفر ہوں۔۔۔“

”بات سنو جب تم پہلی دفعہ میرے گھر آئے تھے۔۔۔ تب تو تمہارے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔۔۔ شام تک ایسا کیا ہوا کہ باغ و بہار ہو گئے۔۔۔“

”اوہ۔۔۔ اُس وقت میں زورس تھا۔۔۔ اور ڈرا ہوا بھی تھا۔۔۔ یونو اپنے کرش سے رو برو ہو کر ملنا آسان کام

نہیں ہے۔۔۔ دوسرا میں حیران بھی تھا۔۔۔ حیرت نے اعصاب گنگ کر دیئے تھے۔۔۔“

”کیسی حیرت۔۔۔؟۔۔۔“

”میری ماں کو تم پسند آتی ہو۔۔۔“

”تم ابھی بھی یہ کرش ورش کے بارے میں غلط بیانی کرتے رہنا چاہتے ہو۔۔۔“

”بالکل۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔“

”اسکے باوجود کہ مجھے تمہاری بات کا یقین نہیں ہے۔۔۔“

”ہاں اسکے باوجود کہ تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے۔۔۔ آخر میرا جاتا ہی کیا ہے۔۔۔“

وہ بول رہا تھا۔۔۔ مگر ضیثمہ کی ساری توجہ لان میں کھلے خوش رنگ و بو پھول اپنی جانب کھینچ چکے تھے۔۔۔

وہ ایک ایک پھول کو ایسے دیکھ رہی تھی۔۔۔ جیسے وہ پھول نہ ہو۔۔۔ بلکہ اللہ کی قدرت کا منہ بولتا ثبوت ہو۔۔۔

جو آپکو انجانے جہان کے راز بتا رہا ہو۔۔

خازن خاموشی سے آکر اسکے پیچھے کھڑا ہو گیا۔۔

کافی دیر بعد وہ سرکوشی میں بولی۔۔

"خازن ایاز۔۔ تمہارے گھر کا بانیچہ اس قدر شاندار ہے یہ بات اگر تم مجھے پہلے بتا دیتے تو بہتر تھا۔۔"

وہ بھی اسی طرح بولا۔۔

"خیر دیر تو اب بھی نہیں ہوئی ہے۔۔ کیا خیال ہے پھر ٹکٹ کینسل کروانے پڑیں گے؟۔۔"

ضیثمہ نے نفی میں سر ہلایا اور آگے بڑھ گئی۔۔

وہ کچھ دیر کے لیے صرف پھولوں کو دیکھتا رہ گیا۔۔ مسکراہٹ اپنی جگہ قائم تھی۔۔



ہائفل ٹاور پہ کھڑے ہو کر جب نیچے نظر ڈالی سارا شہر نظروں کے سامنے بکھرا ہوا تھا۔۔

"خازن یہ جگہ کتنی خوبصورت ہے۔۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے۔۔ اگر ہاتھ بڑھاؤں تو آسمان چھو لوں گی۔۔"

وہ منظر میں کھوئی ہوئی تھی۔۔ اور وہ اس وقت بھی اسی میں کھویا ہوا تھا۔۔

خازن کے سینے پہ ضیثمہ کا سر رکھا تھا۔۔ ضیثمہ کی خازن کی طرف پشت تھی۔۔ خازن نے اسکے گرد بازوؤں کا ہالا

بنایا ہوا تھا۔۔ جب سر جھکا تا۔۔ منہ اسکے دوپٹے میں چھپا تا۔۔ جو ہوا کے پردیش سے سر سے ڈھلک چکا تھا۔

وہ اسکے بالوں سے اٹھنے والی خوشبو منگھتا۔۔ اپنے گال اسے نرم بالوں سے چھوتا۔۔

ایک دم ضیثمہ نے گردن موڑ کر اسکی آنکھوں میں دیکھا۔۔

"تمہارا قد مجھ سے لمبا ہے۔۔ تم اپنا ہاتھ ہوا میں اٹھاؤ۔۔"

"آسمان تک نہیں جائے گا۔۔"

"تم ہاتھ تو اٹھاؤ۔۔"

خازن نے ضیثمہ کی کمر کے گرد رکھا ہاتھ ہٹایا اور اوپر ہوا میں بلند کیا۔۔

ضیثمہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔۔ منہ پورے کا پورا کھل گیا۔۔ کیونکہ خازن کا ہاتھ پوری طرح چھپ گیا تھا۔

”خازن تمہارا ہاتھ۔۔۔“

خازن نے ہاتھ واپس کھینچ لیا۔۔۔

”ہاتھ تو تر تھای ساتھ کف بھی سارا بھیا ہوا تھا۔۔۔“

”آسمان تک تو نہیں پر بادل کو چھو آیا ہوں۔۔۔“

ضیثمہ ابھی تک مسمرانہ تھی۔۔۔

”تمہارا ہاتھ بالکل چھپ گیا تھا۔۔۔ ایک پل کو میں واقعی ڈر گئی تھی۔۔۔“

خازن ہنستا چلا گیا۔۔۔

وہ لوگ ڈر کرنے کے بعد یونہی سڑکوں پہ آوارہ گردی کر رہے تھے۔۔۔

تصویریں لیتے۔۔۔ گیلیں مارتے ساتھ ہی راستے سے ملنے والے سڑیٹ فوڈ رائی کرتے۔۔۔

وہ ایک جنکشن تھا۔۔۔ ضیثمہ کا دھیان چوک کے درمیان کھڑے سیٹھو کی جانب چلا گیا۔۔۔ خازن کو یہ لگا اسکے

ساتھ ہی آ رہی ہے۔۔۔ وہ سڑک پار کر گیا۔۔۔ ضیثمہ اپنے فون کے کیمرے میں دو چار تصویریں قید کرنے کے بعد

اپنی دھن میں آگے بڑھی اور یہ بھول گئی کے زیر اثر انگ کی بتی لال ہو چکی تھی۔۔۔

نتیجہ جو نکلا۔۔۔ ضیثمہ کے گلے سے چیخ برآمد کر گیا۔۔۔

خازن ٹائروں کے چرچرانے پہ متوجہ ہوا تھا۔۔۔ پھر نسوانی چیخ سنتے ہی اپنے پہلو میں نظر ڈالی اور جب وہاں

وہ نظر نہ آئی تو اندھا دھند واپس بھاگا۔۔۔

لوگوں کے ہجوم کو کاٹا وہاں پہنچا تو پہلی نظر سڑک پہ گرے گھرے سُرخ دھبے پر پڑی۔۔۔ وہ جیسے سانس لینا

بھول گیا۔۔۔ ضیثمہ کا جوتا ایک پاؤں وہ دور گرا تھا۔۔۔ اور ایک کہیں اور وہ اوندھے منہ سڑک پہ گری ہوئی تھی۔۔۔

وہ نہیں جانتا کیسے اس نے اس آدمی کو ایک طرف دھکیل کر آگے آنے کی جگہ بنائی جو لوگوں کو پیچھے پیچھے کر رہا تھا۔

ٹریفک وقتی طور پہ رُک گئی تھی۔۔۔ کوئی ایبوی لینس کو فون کر رہا تھا۔۔۔ بہت بڑا ہجوم صرف سائیڈ پہ کھڑا ہو کر

ضیثمہ پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔۔۔ آیا حرکت کر رہی ہے یا نہیں۔۔۔

خازن نے اسکو گود میں بھر لیا۔۔۔ خازن کے چہرے کا رنگ بالکل سفید پڑ رہا تھا۔۔۔

”شیشی۔۔۔ اوہ پلیر۔۔۔ یا اللہ کرم۔۔۔“

وہ ایک ہاتھ سے اسکو مضبوطی سے تھامے دوسرے ہاتھ سے اسکا چہرہ چپتھپار ہاتھا۔۔۔

”یہ بولتی کیوں نہیں ہے۔۔۔!!۔۔۔“

وہ اپنے اندر اٹھتے طوفان کو قابو نہ رکھ پار ہاتھا۔۔۔ اس لیے چلا اٹھا۔۔۔

”کیا کسی نے ڈاکٹر کو بلایا۔؟۔۔۔ یہ میری بیوی ہے۔۔۔ خدا را کوئی ڈاکٹر کو فون کرو۔۔۔“

ایک لڑکی اسکے قریب آئی۔۔۔ اسکے شانے پہ ہاتھ رکھ جرتلی دیتے ہوئے بولی۔۔۔

”ڈاکٹر کو فون کیا جلیٹکا ہے۔۔۔ مگر تم ویکٹم کو بہت زیادہ اپنے ساتھ بھیجنے رہے ہو۔۔۔ اسکے لیے صحت مند

نہیں ہے۔۔۔ ہو سکتا ہے اسکی سانس کی نالی میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے سانس لینا دشوار ہو سکتا ہے۔۔۔ جب

تک ڈاکٹر معائنہ نہ کر کے اسکو زیادہ ملاؤ مت۔۔۔ گاڑی نے کافی قریب سے ہٹ کیا ہے۔۔۔“

”میں اس ڈرائیور کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔۔۔ اندھا تھا کیا۔؟۔۔۔ اسکو سامنے سڑک پار کرتی عورے نظر

کیوں نہیں آئی۔۔۔“

”قصور ڈرائیور کا نہیں ہے۔۔۔ تمہاری بیوی ایک دم سے سامنے آگئی تھی۔۔۔“

ایمبولینس کا سائرن گھونچنا شروع ہو گیا۔۔۔ اگلے دس منٹ میں پیرامیڈک والے ضمیمہ کا آن سین معائنہ کر کے اسکو ہوش دلوانے کے بعد تفصیلی معاینے کے لیے قریبی ہسپتال لے گئے۔۔۔ وہ ساراوت اسکے ساتھ رہا تھا۔۔۔ بخیدہ چہرہ آنکھوں میں ڈر۔۔۔

نیم غنودگی میں بھی وہ اپنے ہاتھ کو پہنچنے والی گرمی سے واقف رہی تھی۔۔۔

اس نے اپنی ہتھیلی میں رکھی ان گرم انگلیوں کو دبا کر اپنی طرف سے تسلی دینے کی کوشش تو کی تھی۔۔۔ مگر وہ

یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ آیا سچ میں یہ عمل کیا ہے۔۔۔ یا خواب تھا۔۔۔

نہ جانے کتنی دیر گزر گئی۔۔۔ وہ اس نرس سے واقف تھی۔۔۔ جو تھوڑے تھوڑے وقت بعد اسکی ڈرپ دیکھ جاتی

یا کبھی کوئی انجیکشن ڈرپ میں ڈال جاتی۔۔۔

اب پھر کوئی آیا تھا۔۔۔ وہ غازن کی غصے سے بھری آواز سن سکتی تھی۔۔۔ جو بہت دور سے آرہی تھی۔۔۔ وہ

شانہ کمرے کے باہر کسی سے مخاطب تھا۔۔۔

”آپ لوگوں کی مطابقت اگر اسکے اماغ کے سکین کی رپورٹ بالکل کلیئر آئی ہے تو مجھے بتاتے کیوں نہیں ہو کہ یہ مسلسل بے ہوشی میں کیوں پڑی ہوئی ہے۔۔۔ دوپہر سے شام ہو گئی ہے مگر ابھی تک مجھے کسی نے کوئی تسلی بخش خواب نہیں دیا ہے۔۔۔“

”مسٹر آپ تسلی رکھیں۔۔۔ کیونکہ آپکی منزل بے ہوش ہرگز نہیں ہیں۔۔۔ بلکہ سرکی معمولی چوٹ کی وجہ سے وقتی طور پر بے ہوش ہوئی تھیں۔۔۔ پر دوپہر سے ہم انکو پڑ سکون دواؤں کے زیر اثر رکھ رہے ہیں۔۔۔ تاکہ آرام کرنے سے جو وقتی طور پر انکو شاک پہنچا تھا۔۔۔ اسکے اثرات کم ہو جائیں۔۔۔“

نیشمرہ آنکھیں کھولنا چاہتی تھی۔۔۔ مگر یوں معلوم ہو رہا تھا۔۔۔ جیسے بند آنکھوں پر وزن رکھ کر انکو کھلنے سے باز رکھا گیا ہو۔۔۔ انہی کوششوں کے دوران دماغ دوبارہ غنودگی میں چلا گیا۔۔۔

اگلی دفعہ جب وہ بیدار ہوئی تو کمرہ سورج کی روشنی سے بھرا ہوا تھا۔۔۔

مگر دماغی طور پر وہ خود کو تروتازہ محسوس کر رہی تھی۔۔۔

کمرے کا جائزہ لینے کے دوران دائیں طرف گردن موڑی تو بے اختیار لب وا ہو گئے۔۔۔

وہ کرسی پر بیٹھا بیٹھا ہی سویا ہوا تھا۔۔۔ اتنا لمبا چوڑا وجود چھوٹی سی کرسی پر بمشکل پورا آیا تھا۔۔۔ پھر بھی اس نے کرسی کی بیک کے اوپر سر ہانہ رکھ کر اس پر سر رکھا ہوا تھا۔۔۔

نیشمرہ دھیرے سے بغیر کوئی آواز پیدا کئے اٹھ کر بیٹھی۔۔۔ اور ہاتھ بڑھا کر خازن کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔۔۔ وہ ہنوز سوتا رہا۔۔۔ ٹانگیں اوپر کو اٹھا کر پیر بیڈ پر رکھے ہوئے تھے۔۔۔ دونوں بازو سینے پر باندھ رکھے تھے۔۔۔

نیشمرہ جب بیڈ سے اتری تو سر میں ہلکسی ٹیس اٹھی۔۔۔ جسے نظر انداز کرتی وہ واش روم تک گئی۔۔۔

دروازے کے بند ہونے کی آواز اسے نیند کی وادی سے کھینچ لائی۔۔۔ پہلا خیال یہی آیا ضرور زس یا ڈاکٹر راقڈ پہ آیا ہے۔۔۔

مگر کسی ڈاکٹر یا زس کا دروازے میں نشان نہ پا کر بیڈ کی جانب دیکھ کر چونکا جو خالی تھا۔۔۔

پہلے بیرونی دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔۔۔ کاریڈور خالی پڑا تھا۔۔۔

پھر خیال آنے پر دواش روم کی جانب آیا۔۔۔ اور ناک کیا۔۔۔

”کیا تم اندر ہو۔۔۔؟“

”نہیں باہر گلی میں ہوں۔۔۔“

”ٹھیک ہو۔۔۔؟“

”ایک دم۔۔۔“

چہرے پہ ہاتھ پھیر کی جمائی لیتا آ کر بیڈ پہ لیٹ گیا۔۔۔

تھوڑی دیر بعد پیر ٹاول سے چہرہ صاف کرتی وہ باہر آئی۔۔۔

”السلام علیکم۔۔۔“

”وعلیکم السلام۔۔۔ تمہیں زندہ سلامت پیروں پہ کھڑا دیکھ کر انتہائی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔۔۔“

”میں بالکل ٹھیک محسوس کر رہی ہوں۔۔۔ بس سر میں ہلکا سا درد ہے۔۔۔“

”تم میرے ساتھ تھیں۔۔۔ چند منٹ بعد کہاں سر دک پہ خون میں لتھڑی مل رہی ہو۔۔۔ میرا قصور ہے مجھے

تمہارا ہاتھ تھام کر رکھنا چاہیے تھا۔۔۔“

”ہاں چھوٹی سی بچی ہوں نا جو ہاتھ تھام کر چلتی۔۔۔“

”شیخہ بیڈ کے پاس جھکی اور خازن کے گال پہ پیار کیا۔۔۔“

”پریشان کیوں ہوتے ہوتی آسانی سے تمہاری جان نہیں چھوٹنے والی۔۔۔“

”کم از کم یہی خیال کر لو کہ میں ہنسی مون پہ ہوں۔۔۔ کیسی فضول گوئی کر رہی ہو۔۔۔“

”کھانے کو کچھ ملے گا یا باتوں سے ہی پیٹ بھروں۔۔۔؟“

”کیا کھاؤ گی۔۔۔ میں نیچے کیفے ٹیریا سے لے آتا ہوں۔۔۔“

”کیا میں نیچے نہیں جاسکتی؟“

”میرا خیال ہے ابھی کچھ دن ریٹ کر تو بہتر ہے۔۔۔ کیفے تین منزل نیچے ہے۔۔۔ تم ادھر بیڈ پہ بیٹھو میں

تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔۔۔۔۔"

"میں بالکل ٹھیک تمہارے سامنے کھڑی بول رہی ہوں۔۔۔ اور تم جان بوجھ کر مجھے ٹال رہے ہو کہ تمہارے ساتھ نہ آؤں۔۔۔ ہاتے میرے اللہ نکمیں میرے سونے کے دوران اس نے یہاں کوئی ڈاکٹر تو نہیں پھنسا لی۔۔۔ پہلے بیوی کے ساتھ پیرس تک آگیا۔۔۔ گلیوں بازاروں میں ساتھ لیے گھومنا۔۔۔ اور اب مجھے سنار ہا ہے کہ تیسری منزل سے نیچے جانا مشکل ہے۔۔۔ جبکہ یہاں پر یقیناً لفٹ کی سروس موجود ہونی ہے۔۔۔ بتاؤ مجھے کون ہے وہ جس کی گھنٹی زلفوں کے اسیر ہوئے ہو۔۔۔؟ کون ہے وہ گلابی ہونٹوں والی جس نے بیوی تک بھلا دی۔۔۔؟ کون ہے وہ ہرنی کی چال والی۔۔۔ صراحی جیسی گردن والی۔۔۔ ہاتے فرینچ بیوی کا شکار ہوئے ہو میرا کیا بنے گا۔۔۔ وہ ساری قسمیں جو تم نے شادی کی رات کھائیں تھیں۔۔۔"

اس سب کے دوران وہ سر کے نیچے دونوں بازو رکھے لیٹا نیم وا آنکھوں سے اسکو پوری دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔۔۔ جو سٹار پلس کی ہیر و ن بنی چہرے کے پوز مار مار کر بول رہی تھی۔۔۔ مگر ضمیمہ کی کبھی آخری لائن پہ فٹ بولا۔۔۔

"میں نے ایک قسم نہیں کھائی تھی۔۔۔"

"یعنی میرا کھایا اگر غلط ہے۔۔۔ تو پہلے جو کچھ میں نے کہا وہ سب سچ ہے جو تم نے بغیر احتجاج کے سُن لیا۔۔۔"

"اگر تم مزید اپنا یہ کلام جاری رکھتیں تو میں سوچ چکا تھا۔۔۔"

"کیا سوچ چکے تھے۔۔۔"

"یہی کہ تمہارے ہر ہر اس سوال کا بھی جواب دے دوں گا۔۔۔ جو تم نے پوچھا ہی نہیں۔۔۔ کہ جس پہ فدا ہوا ہوں۔۔۔ اس کی خوبصورتی نے کس کس انداز میں ڈسا ہے۔۔۔ کیا کیا وار کئے۔۔۔"

"اب تو تمہاری بڑی زبان چلے گی مگر جب میں نے ساتھ جانے کی بات کی زبان کو تالے لگ گئے۔۔۔"

"اٹھا کر لے جاؤں۔۔۔"

"ہاتھ پکڑ سکتے ہو۔۔۔ قسم کھاتی ہوں۔۔۔ اب بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔ پلیز ساتھ لے چلو۔۔۔ اٹھٹے بیٹھ کر ناشتہ کریں گے۔۔۔ سوچو کتنا مزہ آئے گا۔۔۔"

"ٹھیک ہے ہم واپس ہوٹل چلتے ہیں۔۔۔ ناشتہ وہیں کریں گے۔۔۔"

”نیت میں ایک نیا فتور آگیا کیا۔۔۔“

”آیا بھی ہو تب بھی تصور میرا تو نہیں ہے۔۔۔ جب بیوی سامنے کھڑی ہو کر یوں ادائیں دکھائے تو شوہر بچا رہ گیا کرے۔۔۔“

”تم جانتے ہو نا میں تمہیں سڈیوز نہیں کر رہی تھی۔۔۔ بلکہ اپنے سٹائل میں منارہی تھی۔۔۔“

”جو بھی کہو۔۔۔ کامیاب رہی ہو۔۔۔“

ضمیمہ نے ہنستے ہوئے خازن کے سر کے نیچے سے سر ہانہ کھینچ کر چہرے کے اوپر رکھ دیا۔۔۔

”میرے جوتے کہیں نظر نہیں آ رہے۔۔۔ تمہیں کچھ خبر ہو۔۔۔؟“

”آخری دفعہ سڑک پہ گرے دیکھے تھے۔۔۔“

”تو تم نے اٹھائے کیوں نہ؟۔۔۔“

”میرے لیے جوتوں سے اہم تم تھیں۔۔۔ اس لیے انہیں وہیں چھوڑ دیا۔۔۔“

”آف اب میں کیا پہنوں گی؟۔۔۔“

”یہ تو بہت بڑا مسئلہ ہے۔۔۔ نارٹھ کوریہ اور امریکہ کے درمیان کی سرد جنگ سے بھی اہم۔۔۔“

”مذاق نہ کرو۔۔۔ میں ننگے پیر ہوٹل تک جاتی انتہائی بیوقوف لگوں گی۔۔۔ لوگ کیا سوچیں گے۔۔۔“

”لوگوں کی پرداہ نہیں کرتے۔۔۔ میرے پاس تمہاری پریشانی کا حل موجود ہے۔۔۔ مگر پہلے ڈاکٹر سے

سب اوکے کی چٹ لے لو۔۔۔ تب ہی جاؤ گی۔۔۔“

”اسکی کیا ضرورت ہے۔۔۔؟ چلو یونہی بھاگ چلتے ہیں۔۔۔ ہاتھوں میں ہاتھ لیے ہم دونوں آگے بھاگ

رہے ہو گئے۔۔۔ پیچھے ڈاکٹر۔۔۔ مگر ہم انکو ڈاج دیکر نکل جاتے ہیں۔۔۔ پھر وہ ہسپتال سیکورٹی کو کال کریں گے

۔۔۔ وہ آگے پولیس کو بلائیں گے۔۔۔ تمہاری اور میری تصویر کے پوسٹر سارے شہر میں چپاں کئے جائیں گے۔۔۔

میاں بیوی ایک دوسری کو ہسپتال کے بورنگ ماحول سے فرار کرواتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔۔۔“

”تمہارے سر پہ لگنے والی چوٹ کے اثرات صاف نظر آ رہے ہیں۔۔۔“

”پلیز چلو نا۔۔۔“

وہ اسکو بازو سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولی۔۔۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔۔۔

"تمہاری ڈرینگ تبدیل ہونی ہے۔۔۔"

"تم کر دینا۔۔۔"

"میرے ہاتھوں سے درد زیادہ ہوگا۔۔۔"

"کوئی نہیں سہہ لوں گی۔۔۔"

دونوں کے چہرے بالکل آمنے سامنے تھے۔۔۔ ایک دوسرے کی نظروں میں دیکھ رہے تھے۔۔۔ غازن نے انگلی کے پور سے اس کے چہرے پہ گرتے بالوں کو کان کے پیچھے اڑسایا۔۔۔

آنکھیں سکیڑتے ہوئے زنی سے پوچھنے لگا۔۔۔

"کوئی خاص وجہ؟۔۔۔ کیوں یہاں سے جانے کی اتنی جلدی ہے؟۔۔۔"

"مجھے وحشت ہو رہی ہے۔۔۔"

ضیثمہ کی آنکھوں میں پانی کی تہہ ابھرتی دیکھ کر غازن کی آنکھیں پھیل گئیں۔۔۔ دماغ نے کچھ حساب کتاب کیا۔۔۔ وہ ضیثمہ کا چہرہ ہاتھوں میں بھرتے ہوئے بولا۔۔۔

"چلو چلتے ہیں۔۔۔ راستے میں کسی میڈیکل سٹور سے ڈرینگ کا سامان لے لینگے۔۔۔"

ضیثمہ مسکرا دی۔۔۔

غازن نے اسکا ہلکا سا بوسہ لیا۔۔۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔

اپنے جوتے اتار کر ضیثمہ کے سامنے رکھ دیئے۔۔۔

"یہ پہن لو۔۔۔"

"تو تم کیا پہنو گے؟۔۔۔"

"میں نے موزے پہنے ہوئے ہیں۔۔۔ ویسے بھی مجھے گرمی محسوس ہو رہی ہے۔۔۔ ٹھنڈے فرش پہ سکون ملے گا۔"

"یعنی میں یہ محسوس نہ کروں کہ میری خاطر یہ کر رہے ہو۔۔۔؟"

”بالکل بھی نہیں میں اتنا اچھا انسان کبھی نہیں رہا ہوں۔“

دومنٹ بعد وہ نرسوں سے چوری ہسپتال کے خارجی دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے۔۔۔ ضیثمہ نے خازن کے جوتے پہنے ہوئے تھے۔۔۔ اور وہ خالی موزوں میں چل رہا تھا۔۔۔
خازن نے اسکو بازو سے تھام رکھا تھا۔۔۔ جس پہ وہ ہنستے ہوئے بولی۔۔۔
”بتا بھی چکی ہوں بیمار نہیں ہوں۔۔۔ پھر بھی میرے کہے پہ یقین نہیں ہے۔“
”کل تمہارا اتنا خون بہا ہے۔۔۔ مان لیا کہ اس وقت دواؤں کے زیر اثر خود کو فریش محسوس کر رہی ہو۔۔۔ مگر اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ ڈاکٹر پاگل ہیں۔۔۔ جنہوں نے رات بھر تمہیں انڈر رابر رویشن رکھا۔۔۔ اور میں انتہائی پاگل انسان تمہیں بھگا کر لے جا رہا ہوں۔“

”میرے اپنے کہنے پر لے جا رہے ہو۔۔۔ ورنہ تم خود مان چکے ہو کہ تم اتنے اچھے نہیں ہو۔“
”وہی تو۔۔۔ آپ کسی کے لیے تھوڑے سے نرم ہوں۔۔۔ اگلا آپکو بڑی طرح ٹوسٹ پہ لگا کر مزے سے کھا جائے گا۔“

”نہیں نہیں۔۔۔ میں آدم خور تھوڑی ہوں۔۔۔“
جب تک وہ لوگ فارمیسی سے مطلوبہ چیزیں لیکر ہوٹل پہنچے۔۔۔ ضیثمہ کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔۔۔ خازن کی کبھی سچ ثابت ہو رہی تھی۔۔۔ مگر اس نے خازن کو بتایا نہیں۔۔۔
اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی اعلان کر دیا۔۔۔
”مجھے بس پانی کے گلاس کے ساتھ درد کی دو گولیاں چاہیے ہیں۔۔۔“
”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے نا؟۔۔۔“
”ویسے ٹھیک ہوں۔۔۔ بس سر درد کر رہا ہے۔۔۔“

”کپڑے بدلنا چاہو۔۔۔ تو منہ ہاتھ دھو کر بدل لو۔۔۔ میں تمہارے کھانے کو کچھ منگواتا ہوں۔۔۔ پھر دو لینا۔۔۔“
ضیثمہ خازن کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے چیلنج کر کے فریش ہو گئی۔۔۔ تب تک ناشہ پہنچ گیا۔۔۔
دوا لیکر تھوڑی دیر لیٹی جس سے نیند تو نہیں آئی۔۔۔ پر سر درد ایک دفعہ پھر غائب ہو گیا۔۔۔

وہ صوفے پہ نیم دراز تھی اور خازن دوسرے اینڈ پہ بیٹھا اپنے لیپ ٹاپ کی سکرین پڑھ رہا تھا۔۔۔ ایک نظر ضیثمہ پہ ڈالتے ہوئے بولا۔۔۔ جو غیر دلچسپی سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔۔۔

"ایک گیم کھیلے ہیں۔۔۔"

"کیسی گیم۔۔۔"

"سوال و جواب کی۔۔۔ میں تم سے سوال پوچھتا ہوں۔۔۔ تم مجھ سے پوچھنا۔۔۔"

"کس قسم کے سوال۔۔۔؟"

"کچھ بھی جو ایک دوسرے کو جاننے میں مدد دے۔۔۔"

"اوہ اچھا۔۔۔"

"پہلا سوال میں پوچھوں یا تم پوچھ رہی ہو؟۔۔۔"

"تم پوچھو۔۔۔"

خازن نے لیپ ٹاپ سامنے میز پہ رکھا اور ایک ٹانگ دہری کرتا ہوا ضیثمہ کی جانب رخ موڑ کر بیٹھا۔۔۔

اسکے پاؤں اپنی گود میں رکھے اور بولا۔۔۔

"پہلا کس۔۔۔؟"

ضیثمہ ہنسی۔۔۔

"یہ کیسا سوال ہے؟۔۔۔"

"جیسا بھی ہے جواب دو۔۔۔"

"عاقب جاوید۔۔۔"

"عاقب جاوید کون کون؟۔۔۔؟"

"بالکل۔۔۔"

وہ کھل کر ہنسا۔۔۔

ضیثمہ نے یہی سوال اس پہ الٹا دیا۔۔۔

”اب تم اپنا پہلا کرش بتاؤ۔۔۔“

”میرا پہلا کرش ایک نہیں تھا۔۔۔ میں ایک وقت میں دو عورتوں پہ فدا ہوا تھا۔۔۔“

ضیثمہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔۔۔

”نام بتاؤ۔۔۔ پھر میں سوچوں کہ جیلز ہونا ہے یا نہیں۔۔۔“

”مرینا خان۔۔۔ اور بابرہ شریف۔۔۔“

”مرینا خان تو تنہائیاں کے بعد پسند آئی ہوگی۔۔۔؟“

”نہیں۔۔۔ دھوپ کنارے سے۔۔۔ دین شی وازان لووید دیٹ ڈاکٹر آئی وازان لووید ہر۔۔۔“

ضیثمہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔۔۔

”ہاؤ کیوٹ۔۔۔ اور بابرہ شریف کی کس پرفارمنس نے متاثر کیا؟۔۔۔“

”بیک ان نائٹیز۔۔۔ ہر ہفتے پنی ٹی وی پہ ایک شو آیا کرتا تھا۔۔۔ جس میں تمام فلموں کے گانے بچائے جاتے

تھے۔۔۔ اور ہر ہفتے میں سکرین کے آگے صرف ایک ہی گانے کے لیے بیٹھتا تھا۔۔۔ جس میں بابرہ شریف تھیں۔۔۔“

”کونسا گانا تھا۔۔۔؟۔۔۔“

”مُنڈ یادو پٹہ چھڈ میرا۔۔۔“

ضیثمہ ہنستی چلی گئی۔۔۔ وہ خود بھی مسکرا رہا تھا۔۔۔

”میں کبھی کبھی پریشان ہوتا تھا کہ مجھے کبھی اپنی ہم عمر لڑکی پہ کرش کیوں نہیں آیا۔۔۔ اب تمہارے کرش کا سن

کر مجھے اچھا محسوس ہو رہا ہے۔۔۔ کیونکہ جس وقت عاقب جاوید کرکٹ کھیل رہے تھے۔۔۔ تم کہیں پرائمری کی

سٹوڈنٹ ہو گی اگلا سوال۔۔۔“

”زندگی کا سب سے بڑا خواب۔۔۔؟۔۔۔“

”میرا ایک ہی خواب ہے۔۔۔ اور تم وہ جانتے ہو۔۔۔“

”ہاں باغبانی۔۔۔“

”بالکل ٹھیک جواب۔۔۔“

”بڑا ہی آسان خواب ہے۔۔۔“

”کہاں آسان ہے۔۔۔ ناممکن سا خواب ہے۔۔۔ زیادہ سے زیادہ ممالک کی مقامی پودے میرے باغ کا حصہ ہوں۔۔۔ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ ابھی مجھے صرف فرانس کی سوغات ملے گی۔۔۔ وہ بھی اگر تم نے وعدے کے مطابق جو پودے ہر سوں خریدے تھے۔۔۔ انکی شپمنٹ پاکستان کروا دے گی۔۔۔“

”یس مائی لیڈی۔۔۔ ہماری واپسی سے پہلے ہی تمہاری ڈلیوری پہنچ جانی ہے۔۔۔“

”پھر ہم لوگ جلدی واپس چلے جاتے ہیں۔۔۔ میں نہیں چاہتی اتنی دور سے جانے والے پودے میری غیر موجودگی میں مرجائیں۔۔۔“

”مالی ہے تو۔۔۔ وہ دیکھ لے گا۔۔۔“

”میں نے ہر سوں کی ساری رات جاگ کر گوگل پہ ان پودوں کی بائیو گرافی پڑھی ہے۔۔۔ مالی کو کیا سمجھ آئے گی۔۔۔“

”مالی ٹرینڈ آدمی ہے۔۔۔ اس بارے میں اس وقت مزید کوئی بات نہیں ہو رہی۔۔۔ اگلا سوال۔۔۔“

”نیشیئم منہ بسورتے ہوئے بولی۔۔۔ ابھی اپنا خواب تو بتایا نہیں۔۔۔“

”میری ماں سدا خوش رہیں۔۔۔ اور میری خواہش یہی ہے کہ جب وہ جنت میں ڈیڈی سے ملیں تو انکو یہ نہ کہیں کہ جس پیٹے کے ذمہ تم مجھے وہاں چھوڑ کر آئے تھے۔۔۔ تمہارے اس پیٹے نے اپنی ذمہ داری نہ نبھائی۔۔۔ اس امتحان کی کامیابی کے لیے میں نے بہت محنت کی ہے۔۔۔ اور اپنی آخری سانس تک میرا مشن جاری رہے گا۔۔۔ اس لیے اتنی محنت کی ہے تاکہ کبھی مئی یا بہنوں کو مشکل وقت نہ دیکھنا پڑے۔۔۔“

”تمہارا مشن کامیاب ہے۔۔۔ کیونکہ مئی کو تم پہ بڑا فخر ہے۔۔۔“

”جانتا ہوں۔۔۔ مگر مالی حالات کو بہتر بنانے کے چکر میں کام اتنا پھیرا لیا ہے کہ اب میرے پاس ماں کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔۔۔ کیونکہ ایک وقت تھا۔۔۔ جب تین وقت کا کھانا بھی مشکل بات معلوم ہوتی تھی۔۔۔ ہر اب میں نے خود کو اتنا الجھا لیا ہے کہ دن کا ایک وقت کا کھانا بھی مشکل سے فیملی کے ساتھ کھا پاتا ہوں۔۔۔ جس وقت آفس کے لیے نکلتا ہوں۔۔۔ مئی اپنا قرآن کا سبق پڑھ رہی ہوتی ہیں۔۔۔ ہر رات کہیں نہ کہیں ڈنر پہ انوائیٹ ہوتا ہوں۔۔۔“

”کوشش کر کے روٹین میں تبدیلی کرو۔۔۔ اپنی جگہ فائز کو آفس کی ذمہ داریاں دے دو۔۔۔“

”فائز پہلے ہی اپنے حصے سے زیادہ معاملات دیکھتا ہے۔۔۔“

”تو کوئی اور آدمی ڈھونڈ لو۔۔۔“

”کوشش کی جاسکتی ہے۔۔۔“

باتوں باتوں کے دوران ضیثمہ نیند کی وادی میں اتر گئی۔۔۔

خازن اپنی جگہ پر بیٹھا کتنی دیر اس کے چہرے کو بخندگی سے دیکھتا رہا۔۔۔

اتنے مختصر وقت میں دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب آئے تھے۔۔۔ مگر خازن کو اندر ہی اندر وہ

سارے جھوٹ تنگ کرتے تھے۔۔۔ جو وہ ضیثمہ سے بول چکا تھا۔۔۔ سارے جھوٹ اگر سچ ثابت ہو گئے تو پھر؟ یہ

بات اس کو اتنا زیادہ تنگ کرنے لگی تھی۔۔۔ ہر خوبصورت گفتگو کے بعد وہ خود اپنے آپ سے نظر چراتا تھا۔

یہی وجہ تھی ایک دفعہ بھول کر بھی اپنی گفتگو میں پیار محبت کا ذکر نہیں کرتا تھا۔۔۔ نہ ہی اس طرف جانا تھا۔۔۔ کم

ازم ضیثمہ کے ساتھ تو بالکل بھی نہیں۔۔۔

پھر آگے سوال آتا۔۔۔

”خازن ایسا کیا ساری عمر دوغلی زندگی جیو گے۔۔۔ اور بڑھاپے میں خود سے نظر چراؤ گے کہ سچ کہنے کی ہمت

نہ کر پائے۔۔۔ بزدل بن کر ساری عمر نہیں گزاری جاسکتی۔۔۔

☆.....☆.....☆

”ضیثمہ آخر کتنی دفعہ ٹیرس کا چکر لگا نا ہے۔۔۔؟“

ضیثمہ ٹھٹکی۔۔۔ رکی اور ایک شرمندہ سی نظر بھا بھی کی جانب ڈالی جو ہال میں بیٹھی مٹرن کال رہی تھیں۔۔۔

”مجھے خبر نہیں تھی آپ میرا جاڑہ لے رہی ہیں۔۔۔“

”اچھا۔۔۔ اب کیا پوچھ سکتی ہوں اتنی بے تابی کس بات کی ہے۔۔۔“

”وہ۔۔۔ فائز کا میسج آیا تھا۔۔۔“

”کیا کہتا ہے؟۔۔۔“

”کہہ رہا تھا کہ وہ مجھے لینے آرہا ہے۔“

”ہاں تو آجائے گا تو چلی جانا اس طرح ٹیرس کے چکر لگانے سے وقت کو ہر نہیں لگیں گے۔۔۔“

”نہیں مجھے فائز کا انتظار نہیں ہے۔۔۔“

”تو پھر۔۔۔؟۔۔۔“

بھابھی کے برابر بیٹھتے ہوئے اُس نے نوکری سے مٹرا اٹھا کر کھاتے ہوئے بتایا۔۔۔

”مجھے شک ہوا ہے کہ مجھے لینے کا فائز کی بجائے غازن خود آرہا ہے۔“

”پر غازن سے تو کل تمہارے بھائی کی بات ہوئی تھی کہہ رہے تھے ابھی پاکستان آنے میں اُسکو کچھ دن لگیں گے۔۔۔“

”ہاں پر صبح محی سے بات ہوئی تھی وہ کہہ رہی تھیں۔۔۔ فائز انر پورٹ گیا ہوا ہے۔۔۔ اب بھلا فائز کا انر پورٹ کیا

کام۔۔۔ یہی ہو سکتا ہے کہ غازن واپس آیا ہے اور مجھے سر پر انڈ دینے کے چکر میں بتایا نہیں ہے۔۔۔“

بھابھی نے نظر اٹھا کر ضمیمہ کے سب سے سنورے روپ کو دیکھ کر دل ہی دل میں نظر اتاری شادی کو چار ماہ گزر گئے تھے اور ضمیمہ بالکل نئی والی ضمیمہ بن گئی ہوئی تھی۔۔۔ گالوں پہ لالی ہونٹوں پہ ہمہ وقت رہنے والی مسکراہٹ۔۔۔ یہ تبدیلی غازن کی نوازی ہوئی تھی۔۔۔

بھابھی مسکراتے ہوئے بولیں۔۔۔

”شادی کے بعد یہ دوسری دفعہ تم ہماری طرف رُکی ہو اور وہ بھی پچھلی دفعہ صرف ایک رات کے لیے اور اس دفعہ دو راتیں ہوئی ہیں۔ اس دوران بھی آدھا وقت تم فون پہ اپنی ساس اور تندوں کے ساتھ مصروف رہی ہو۔۔۔ یعنی ہماری تو اب کوئی ویڈیو نہیں ہے۔۔۔ پہلے فون کر کے تمہیں بلایا ہے۔۔۔ اب اتنی جلدی واپس جا رہی ہو۔۔۔“

”ایسی تو کوئی بات نہیں بھابھی آپ تو جانتی ہیں۔۔۔ میں ادھر آؤں تو می گھر پہ انکلی رہ جاتی ہیں۔۔۔ انکو بلڈ پریشر کا مسئلہ ہے اسلیے دل نہیں مانتا اُنکو چھوڑ کر آنے کو۔۔۔ جبکہ غازن بھی ادھر نہیں ہے۔۔۔ آپ فکر نہ کریں اب سے جلد چکر لگایا کروں گی۔۔۔ ہاں رات رُکنے کا وعدہ نہیں کر سکتی۔۔۔“

”میری جان تم اپنے گھر نہو بسو ہمیں اور کیا چاہیے۔۔۔ اللہ تمہیں اپنی رحمتوں سے نوازیں۔۔۔ سدا سہاگن رہو۔“

آپل میں جلتا دیا

ضیغمہ نے دل میں آئین بولا۔ تبھی گھٹ پہ ہارن بجاتھا۔۔۔ بھابھی نے شرارتی نظروں سے اُسکو دیکھا تھا۔۔۔ اور اُس نے بڑی مشکل سے خود کو بھاگ کر ٹیرس پہ جانے سے روکا تھا۔۔۔

اگلے چند منٹ گھنٹوں جیسے معلوم ہوئے تھے۔۔۔ مگر جب دانیال نے آکر بتایا ڈرائیور لینے کے لیے آیا ہے تو سب کے سامنے وہ بڑی مہارت سے اپنی مایوسی چھپا کر سب سے ملنے کے بعد اوداع بول کر ڈرائیور کے ساتھ روانہ ہوگئی۔۔۔

"مجھے لینے کے لیے تو فائز آ رہا تھا پھر کیا ہوا؟۔۔"

اُس نے ڈرائیور سے پوچھا جس پہ وہ لا علمی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔۔۔

"بی بی جی میں کچھ کہہ نہیں سکتا مجھے تو بڑی بیگم صاحبہ نے بھیجا ہے۔"

"اچھا۔۔۔"

"جی۔۔"

"چلو ٹھیک ہے۔۔"

کھڑکی سے باہر کے دوڑتے مناظر کو دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔۔۔

اس آدمی کے بغیر اب تو سارا شہر ویران معلوم ہوتا ہے۔۔۔ نہ جانے کب اپنے بزنس ٹور سے واپس آئے گا۔۔۔

مئی ٹھیک کہتی ہیں۔۔۔ آئینہ میں اس کے ساتھ ہی چلی جایا کرونگی۔۔۔ اچھی بھلی آفر کر رہا تھا۔۔۔ میں نے خود ہی انکار کر دیا۔۔۔ اور اب بھگت رہی ہوں۔۔۔ کیا اُسکو میری یاد نہیں آتی ہوگی؟؟۔۔۔

مجھے تو ایک پل کو اس کا خیال نہیں بھولتا۔۔۔ ہائے کتنا اچھا ہو نہ جب گھر بچپنوں تو وہ بھی وہیں موجود ہو۔۔۔

اتنے دن ہو گئے اس کا چہرہ ہوئے۔۔۔

ڈرائیور نے گھر کے گھٹ پہ ہارن مارا تو وہ خیالوں کی دنیا سے باہر آئی۔۔۔

گھٹ کھل گیا گیراج میں خازن کی گاڑی پارک دیکھ کر دل کی دھڑکن نے سپید پکولی تھی۔۔۔ جیسے ہی ڈرائیور نے گاڑی پارک کی وہ گاڑی سے نکل کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔۔۔

ہال کا دروازہ کھولتے ہی نظر سیدھی فائز پہ پڑی تھی جو ہاتھ میں کچھ فاعلز لیے می کے بیڈ روم کے باہر کھڑا تھا۔۔۔

وہ متوازن قدموں سے چلتی کمرے تک آئی۔۔۔ ابھی فائز کے اشارے سے کئے گئے سلام کا جواب دینے ہی لگی تھی کہ اندر سے آتی خازن کی آواز سُن کر خشکوار حیرت کے تحت خاموش رہ گئی۔۔۔ مگر اسکے الفاظ سمجھنے کے بعد حیرت مزید سوا ہو گئی۔۔۔ وہ اپنی ماں سے اُلٹھ رہا تھا۔۔۔ آواز میں دنیا بھر کی بیزاری تھی۔۔۔

”ڈرائیور کو بھیجنے سے پہلے مجھ سے تو پوچھ لیا ہوتا۔“

”کیا پاگلوں جیسی بات کر رہے ہو۔۔۔ اس میں تم سے اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی۔۔۔ تم اتنے دنوں بعد گھر آئے ہو۔۔۔ تم نے خود تو اس کو اپنی آمد سے مطلع نہیں کیا اب الٹا مجھے موڈ دکھا رہے ہو۔“

”مُمی اگر مجھے اس وقت اسکی ضرورت ہوتی تو میں خود اُس سے رابطہ کر لیتا۔۔۔ ایک تو میں پہلے ہی ایک ڈیل کی وجہ سے پریشان ہوں اوپر سے اب مجھے بیوی کے چو نچلے دیکھنے پڑیں گے۔۔۔“

”خازن۔۔۔!!۔۔۔ یہ تم کس انداز میں بات کر رہے ہو۔۔۔؟۔۔۔ پہلے ہی میں دیکھ رہی ہوں۔۔۔ پورا ایک ماہ باہر پے ہو اور اس دوران چند ایک بار ہی تم نے ضمیمہ سے رابطہ کیا ہے۔۔۔ تمہارے اس لاپرواہ رویے کی وجہ جان سکتی ہوں۔۔۔“

”میرے پے کام کا پد یشر ہے۔۔۔ اب شادی کر لینے کا یہ مطلب تو نہیں ہے نہ کہ انسان چوبیس گھنٹے بیوی کی شان میں قصیدے پڑھتا رہے یا اسکے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ جائے۔۔۔ پورے تین ماہ اس کو وقت دیا ہے۔۔۔ ہنی مولن کے لیے پیرس لیکر گیا تھا۔۔۔ تب پورا ماہ صرف اسی کے ساتھ گزارا نہ کوئی کام کیا نہ آفس کی خبر لی۔۔۔ اب ساری زندگی تو ایسے نہیں گزرتی کام نہیں کرونگا تو کھائیں گے کہاں سے۔۔۔“

”خازن چُپ کر جاؤ۔۔۔ ورنہ میرے دماغ کی کوئی نُس ضرور پھٹ جائے گی۔۔۔ مجھے اپنی سماعت پہ یقین نہیں آ رہا ہے کہ یہ سب کچھ تم کہہ رہے ہو۔۔۔ اپنی اس بیوی کے لیے حکومت اپنی مرضی اور چاہت سے بیاہ کر لائے ہو۔۔۔ خدا کا نام لو ابھی تم لوگوں کی شادی کو جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اور یہ عالم ہے۔۔۔ اور دوسری طرف تمہاری بیوی ہے جس کے پاس صبح سے شام تک تمہاری ذات کے علاوہ کوئی موضوع نہیں ہوتا۔۔۔ خازن یہ خازن وہ۔۔۔ اور خازن صاحب یہ رنگ دکھا رہے ہیں۔۔۔ یہاں سے چلے جاؤ میں نہیں چاہتی ضمیمہ تمہارا یہ روپ دیکھے۔۔۔ ضمیمہ نے ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ نظر اٹھا کر فائز کی جانب دیکھا۔۔۔ جس نے شرمندگی سے دھیمے

سے بولتے ہوئے صفائی دینی چاہی۔۔۔

”بھابھی وہ آفس کے ایک معاملے پہ پریشان ہیں۔۔۔“

ضیثمہ نے ہاتھ اٹھا کر نفی میں سر ہلا کر اس کو منع کر دیا۔۔۔ ایک نظر بیرونی دروازے پہ ڈالی جہاں سے کچھ منٹ پہلے اندر آتے ہوئے وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین اور خوش لڑکی سمجھ رہی تھی۔۔۔ پھر ایک نظر اوپر اپنے بیڈ روم کو جانے والی سیڑھیوں پہ ڈالی۔۔۔

کمرے میں قدموں کی چاپ ابھری۔۔۔ دو سیکنڈ بعد دروازہ کھلا اور وہ دروازے کے فریم میں نمودار ہوا۔۔۔ ضیثمہ کی دروازے کی جانب پشت تھی۔۔۔
خازن کے سینے سے گہری سانس خارج ہوئی۔۔۔ جس نے ضیثمہ کے جسم کی لویں کھڑی کر دیں۔۔۔ اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔۔۔ حالانکہ دل کتنا چاہ رہا تھا۔۔۔ ایک نظر ہی سہی مگر اسکا چہرہ تو دیکھے۔۔۔ مگر دل کی ان سنی کر کے اس نے قدم بیڑھیوں کی جانب بڑھادیے۔۔۔

خازن نے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔۔۔ اور سرگوشی کی۔۔۔
”کیا کچھ سن کر گئی ہے؟۔۔۔“

فائز نے افسوس سے بتایا۔۔۔
”سب کچھ۔۔۔“

خازن نے اثبات میں سر ہلایا۔۔۔ گہری نظروں سے ضیثمہ کو سیڑھیاں چڑھتے دیکھتا رہا۔۔۔ یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔۔۔

☆.....☆.....☆

”جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا چلو آفس کے لیے نکلیں دیر ہو رہی ہے۔۔۔“

”آپ رُک جائیں میٹنگ میں دیکھ لو ننگ۔۔۔“

خازن نے گھور کر فائز کو دیکھا اور سرد آواز میں بولا۔۔۔

”فائز صاحب میری بیوی سے ہمدردی پالنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ جو باتیں اس نے میری

زبان سے سنی ہیں۔۔۔ وہ اس زہر سے ہزار درجے بہتر ہیں جو کسی اور کی زبان سے اس تک پہنچنا ہے۔۔۔"

"سراسب کے بعد مجھے نہیں لگتا بھابھی آج رات والی پارٹی میں آپکے ساتھ جا پائینگے۔۔۔ جبکہ انکا جانا ضروری ہے۔۔۔ کم از کم مخالفت پارٹی کی بولتی تو بند ہوگی۔۔۔"

"شیشمہ مجھے انکار نہیں کرے گی۔۔۔ مگر میں اسکو ساتھ لیکر نہیں جانا چاہتا ہوں۔۔۔"

گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ آرام دہ حالت میں بیٹھنے کے بعد اس نے ایک نظراوپر اپنے بیڈروم کی جانب ڈالی جہاں لائٹ جل رہی تھی۔۔۔

وہ اس وقت تک کھڑکیوں سے چھن کر آتی روشنی کو دیکھتا رہا جب تک گاڑی گھر سے نکل نہیں گئی۔۔۔



"کیا وہ مجھ سے اکتا گیا ہے؟۔۔۔"

"مگر اس نے خود بتایا تھا وہ مجھے پسند کرتا ہے۔۔۔"

"پسند کیا ہے۔۔۔ کئی لوگ پسند آتے ہیں پھر پسندنا پسند میں بدل جاتی ہے۔۔۔"

"مگر اتنی جلدی تو نہیں بدل سکتا؟۔۔۔"

"کیا اس نے کبھی انتہائی قرب کے لمحات میں بھی محبت کا اظہار کیا ہے؟۔۔۔"

خود سے کتنے گئے اس سوال پہ شیشمہ کا دل تھمتا محسوس ہوا۔۔۔

"نہیں اس نے ابھی تک مجھ سے محبت کا اظہار نہیں کیا ہے۔۔۔"

"تو کیا پسندیدگی۔۔۔ محبت میں بدلنے کی بجائے۔۔۔ نفرت میں بدل گئی؟۔۔۔ مگر وجہ کیا ہوئی؟۔۔۔"

ایسے ایک دم سے کون بدلتا ہے؟۔۔۔ تو کیا ابھی تک یہ مجھ سے مروت میں تعلق داری نبھاتا رہا ہے؟۔۔۔ مگر مروت کیوں۔۔۔؟۔۔۔

سوچ سوچ کر دماغ کی نیس پھٹی جا رہی تھیں۔۔۔ مگر سوالوں کے جواب مل کر نہیں دے رہے تھے۔۔۔

دروازے پہ دستک ہوئی۔۔۔ اس نے جلدی سے آنکھیں صاف کر کے ٹشو ڈسٹ بن میں پھینکا۔۔۔ کتاب ہاتھ میں پکڑ کر بیڈ کی بیک سے ٹیک لگا کر خود کو لاپرواہ ظاہر کیا۔۔۔

”کون؟“

”بی بی جی میں ہوں۔۔۔“

ملازمہ کی آواز پہ اس نے اجازت دی۔۔

”اندر آ جاؤ کیا بات ہے؟۔۔“

ملازمہ اندر آئی اور اس کو جا بھٹتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔۔۔

”بڑی بیگم صاحبہ نے بھیجا ہے کہہ رہی ہیں آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔۔۔“

”نہیں۔۔۔ اس وقت بس نیند آرہی ہے۔۔۔“

”وہ آپ کا سردرد اب کیسا ہے؟۔۔“

”ٹھیک ہے میں نے پیناڈول لے لی تھی۔۔۔ اب کافی فرق ہے۔۔۔“

”ٹھیک ہے بی بی جی میں چلتی ہوں۔۔۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہوئی تو بزرجا دیکھتے گا۔۔۔ اور ہاں فائز بھائی کا

فون آیا تھا۔۔۔ وہ اور صاحب جی کسی پارٹی میں گئے ہوئے ہیں۔۔۔ صاحب جی آج رات کو دیر سے گھر آئینگے۔۔۔“

مشیمہ کی بے اختیار نظر کلاک پر پڑی جہاں رات کے بارہ بج رہے تھے۔۔۔ دل میں سوچا۔۔۔ دوسری

تاریخ شروع ہوگئی اس سے زیادہ دیر کیا ہوگی۔۔۔

”مئی کو میری طرف سے ایک دفعہ پھر شب بخیر بول دینا۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔“

ملازمہ چلی گئی۔۔۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب ایک طرف ڈالی۔۔۔

ڈر اس نے مئی کے ساتھ ہی کیا تھا۔۔۔ یہ ظاہر کر دئے بغیر کہ دل پر کیا بیٹی تھی۔۔۔ مئی یہی سمجھی تھیں کہ وہ

خازن کے آفس چلے جانے کے بعد ہی پہنچی ہے اس لیے ملاقات نہیں ہو پائی۔۔۔ اس وقت دل زیادہ دکھا جب وہ

اپنے پیٹے کی جانب سے مشیمہ سے ملنے کے اشتیاق کو جتا رہی تھیں۔۔۔ وہ چاہ کر بھی کہہ نہ پائی مت جھوٹ بولیں

زخموں پہ نیک کی طرح لگ رہا ہے۔۔۔

شب خوابی کا لباس پہن کر ڈرینگ روم سے نکلی تھی جب فون کی ٹون نے متوجہ کیا۔۔۔

پہلا خیال یہی آیا۔۔۔ میکے سے کسی کا میسج ہے۔۔۔

مگر سامنے خازن کا نام دیکھ کر تجس ہوا آخر کیا کہنے کو میسج کیا ہے۔۔۔

جلدی سے پڑھنے لگی۔۔۔

”شوہر اگر غصے میں کچھ غلط بول جائے تو اچھی بیوی کو دل پہ نہیں لینا چاہیے۔۔۔“

ضیغمہ کاجی چاہا کاش اس وقت وہ سامنے ہوتا تو وہ یہی فون اس کے سر پہ دے مارتی۔۔۔

اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔۔۔ بس ایپ بند کر کے فون واپس رکھ دیا۔۔۔ جبکہ دوسری جانب وہ ابھی

بھی آن لائن تھا۔۔۔

پورے ایک منٹ بعد ٹون دوبارہ بجی۔۔۔

اس کے بال برش کرتے ہاتھ تھے جلدی سے آکر ایک دفعہ پھر میسج کھول کر پڑھنے لگی۔۔۔

”میں بہت زیادہ پریشان تھا۔۔۔“

ایپ بند کی اور بال کنگھی کرنے لگی۔۔۔

ایک منٹ گزرا۔۔۔ ٹون بجی۔۔۔

”کیا ہوا جو ہر دوپل بعد تمہیں فون کر کے یہ نہیں بتایا کہ تمہیں بڑایا کرتا ہوں۔۔۔ تمہارے بغیر دنیا اس لگتی

ہے۔۔۔“

”اتنی زیادہ صفائیاں آج تک اپنی ماں کو بھی نہیں دی ہیں۔۔۔“

اگلے دس پندرہ منٹ تک یہی عمل جاری رہا وہ میسج پڑھ کر ایپ بند کر دیتی۔۔۔ پورے ایک منٹ بعد

دوبارہ بیل ہوتی۔۔۔

”میں گاڑی میں بیٹھا ہوا ہوں۔۔۔ جب تک جواب نہیں دو گی۔۔۔ گھر نہیں آؤں گا۔۔۔“

”اگر زندگی پیاری ہے تو گاڑی میں ہی رہو۔۔۔ گھر آؤ گے تو میرے ہاتھوں زندہ نہیں بچو گے۔۔۔“

”تمہارے ہاتھوں سے ملی موت بھی قبول ہو گی۔۔۔“

”بکواس کرنے میں تمہارا حافی کوئی نہیں ہے۔۔۔“

”میں بہت بڑی مصیبت سے بچا ہوں۔۔۔“

”کیا مطلب؟۔۔۔“

”میری مخالفت پارٹی نے میرے خلاف سازش کی تھی اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو کڑوڑوں کا نقصان تو ہونا ہی تھا۔۔۔ ساتھ ساتھ میری کاروباری ساکھ کی ماں بہن ہو جانی تھی۔۔۔ یہ دونوں نقصان پھر بھی قابل قبول ہوتے مگر وہ میری ذاتی زندگی کو بھی نشانے پر رکھے ہوئے تھے۔۔۔“

”ہر کوئی تو تم سے محبت کرتا ہے پھر یہ دشمن کہاں سے آگئے۔۔۔“

”یہ دشمن بھی کسی وقت کے اچھے دوست رہے ہیں۔۔۔ اسی لیے میرے پلس مائنس پوائنٹس جانتے ہیں۔“

”کیا ابھی پریشان ہو؟۔۔۔“

”نہیں اب نہیں۔۔۔ آج ملک کی بزنس کمیونٹی کے اعزاز میں اشاعیہ تھا۔۔۔ وہاں پہ میری کپنی کی تعریف ہوئی ہے۔۔۔ مجھے اس سال کے بہترین کاروباری نوجوان کا نام دیا گیا ہے۔۔۔ سب کے منہ بند ہو گئے ہیں۔۔۔“

”مجھے کیوں یہ سب بتا رہے ہو؟۔۔۔“

”تمہارا دل نرم کرنے کی کوشش میں۔۔۔“

”تو کیا میں بتاؤں کہ کوشش ناکام ہوئی ہے یا خود سے سمجھ آگئی؟۔۔۔“

”ضیثمہ۔۔۔“

”ہوں۔۔۔“

”میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔۔۔“

”تو مجھے بتانے کی کیا ضرورت ہے جو سوچ رہے ہو سوچتے جاؤ۔۔۔“

”تم میری اتنی سی غلطی معاف کرنے میں ناکام ہو رہی ہو۔۔۔ اگر کل کو میرا کوئی بہت بڑا گناہ تمہارے سامنے آگیا تو کیا کرو گی؟۔۔۔ تم تو ایک پل میں مجھے دھمکا دو گی۔۔۔“

”ضیثمہ کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔۔۔“

”یہ ایسی بات کیوں کر رہا ہے۔۔۔ اگلے پل ٹائپ کر رہی تھی۔۔۔“

”تم جہاں بھی ہو فوراً گھر آؤ۔۔۔ جو بھی بات ہو گی آمنے سامنے ہو گی فون پہ نہیں۔۔۔“

”تمہارے سامنے بیٹھ کر بات کرنا مشکل ہوتا ہے۔۔۔ مجھے فون پہ ہی اپنی کہہ لینے دو۔۔۔“

”تم آرہے ہو۔۔۔ یا میں تمہیں ڈھونڈنے کو باہر نکلوں۔۔۔؟ بے حس انسان پورا ایک مہینہ ہو گیا ہے مجھے تمہاری سڑی ہوئی شکل دیکھے ہوئے۔۔۔“

”جسکو تم سڑی ہوئی شکل کہہ رہی ہو۔۔۔ جانتی ہو کتنی پریوں کے دل اس شکل کو دیکھ کر دھڑکتے ہیں۔۔۔“
وہ ننگے پیر کمرے سے نکل آئی تھی۔۔۔ اتنی بڑی حویلی نما گھر میں اس وقت اسکے علاوہ ایک مٹی ہی موجود تھیں۔۔۔ جو یقیناً سوری تھیں۔۔۔ باقی رہے نوکر تو وہ اپنے کواڑوں میں محو خواب تھے۔۔۔

فون کو کندھے اور کان کے درمیان دبا کر ہاتھوں سے اپنے سلک کے گاؤن کی ڈوریاں بند کرتی نیم اندھیرے میں سیڑھیاں اتر رہی تھی۔۔۔ ساتھ ہی فون ملا دیا۔۔۔ چھوٹے ہی بولی۔۔۔

”میرے سامنے اپنی فدائیوں کا ذکر مت کرو۔۔۔“

”کیوں۔۔۔؟ کیا جیلیسی ہوتی ہے؟۔۔۔“

ضیثمہ کی دھڑکن تھمی۔۔۔ مگر صرف دو سیکنڈ کے لیے اسکے بعد وہ پورے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔۔۔

”ہاں۔۔۔ جیلیسی ہوتی ہے اور بہت زیادہ جیلیسی ہوتی ہے۔۔۔“

دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔۔۔ پھر دھیمے لہجے میں بولا۔۔۔

”مجھے بھی بہت جیلیسی ہوتی ہے۔۔۔“

ضیثمہ نے مسکراتے لبوں سے پوچھا۔۔۔

”کس سے؟۔۔۔ میرے لیے کون آئیں بھرتا ہوگا۔۔۔“

”میں۔۔۔“

ضیثمہ کی ہنسی بے اعتیاد تھی۔۔۔

”خود ہی آئیں بھرتے ہو۔ اور خود ہی جلیس ہوتے ہو۔۔۔ کیسا مذاق ہے؟۔۔۔“

”میں خود سے نہیں اس شخص سے رقابت محسوس کرتا ہوں۔۔۔ جو تمہاری زندگی میں نہ ہو کر بھی تمہارے دل میں رہتا ہے۔۔۔ اور ایک میں ہوں۔۔۔“

ضیثمہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔۔۔

دونوں جانب خاموشی۔۔۔۔

”خازن۔۔۔۔“

جواب میں خاموشی۔۔۔۔

اس دفعہ وہ سخت لہجے میں بولی۔۔۔

”خازن ایاز۔۔۔۔“

”جی ضیثمہ۔۔۔۔“

”تمہارا رویہ میری سمجھ سے باہر ہے۔۔۔ کیا چاہتے ہو؟۔۔۔ مجھ سے اکتا گئے ہو۔۔۔؟۔۔۔ جان چھڑوانا چاہتے ہو تو میرے سامنے آ کر میرے منہ پہ کہو۔۔۔۔“

جواب میں پھر خاموشی۔۔۔۔

”کہاں ہو۔۔۔؟۔۔۔“

”بولتے کیوں نہیں ہو۔۔۔؟۔۔۔“

وہ تیزی سے بیرونی دروازے کی جانب چل پڑی۔۔۔۔

”میرا دماغ ٹھکانے پہ نہیں ہے۔۔۔ اسلیے بہتر یہی ہے کہ میں خاموش ہی رہوں۔۔۔ پھر کوئی الٹی سیدھی بکواس کر دوں گا۔۔۔۔“

”گھر آؤ۔۔۔۔“

”نہیں آؤنگا۔۔۔۔“

”میسج میں کیا کہا تھا تم نے میں کہوں گی تو گھر آؤ گے۔۔۔ اب میں کہہ رہی ہوں۔۔۔ گھر آؤ۔۔۔۔“

”میں نے سوچا تھا یہ کھیل بہت آسان ہوگا۔۔۔ مگر نہیں یہ آسان نہیں ہے۔۔۔ انتہائی مشکل ہے۔۔۔ میں ایک ماہ ملک سے باہر رہا ہوں۔۔۔ صرف تمہاری وجہ سے۔۔۔ میرے کاروبار میں جو مسئلہ ہوا وہ بھی اسی کا نتیجہ ہے۔۔۔ ورنہ میں دیکھتا کس میں جرات ہے جو مجھے بلیک میل کرتا۔۔۔ مگر اس عورت نے کارڈ ہی وہ کھیلا کہ میں

ڈر گیا تھا۔۔۔"

"کس عورت نے۔۔۔؟۔۔۔ کیا کارڈ۔۔۔؟۔۔۔ مجھے کچھ بتاؤ گے یا پاپا گل کر کے سکون آئے گا۔۔۔"

"شیشمہ سو جاؤ۔۔۔"

اتنا کہہ کر اس نے کال بند کر دی۔۔۔

ہال کے کھلے دروازے میں وہ ننگے سر ننگے پیر کھڑی تھی۔۔۔

غصے سے نتھنے پھول رہے تھے۔۔۔ جی یہی چاہ رہا تھا ایک دفعہ خازن سامنے آئے تاکہ اسکا منہ توڑ کر اندر کی آگ ٹھنڈی کر سکے۔۔۔

وہ اتنا روئی تھی اب جسم کا شوگر لیول لو لگ رہا تھا۔۔۔

آس نے سوچے بغیر فائز کا نمبر ملا یا۔۔۔

دوسری بیل پہ کال اٹھالی گئی۔۔۔

"جی۔۔۔؟۔۔۔"

"خازن کدھر ہے۔۔۔؟۔۔۔"

"گھر کے باہر۔۔۔"

"میں گیراج کے پاس کھڑی ہوں۔۔۔ اور یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔۔۔"

"انکی گاڑی گیٹ کے باہر سڑک پہ پارک ہے۔۔۔"

"کیا گاڑی میں اکیلا ہے یا ساتھ کوئی اور بھی ہے۔۔۔"

"اکیلے ہی ہیں۔۔۔ بھابھی آپ انکو وہیں رہنے دیں۔۔۔ آپ آرام کریں۔۔۔ کل تک نازل ہو جائیں گے۔"

شیشمہ نے غصے سے کال کاٹ دی۔۔۔

واپس بیڈ روم میں جا کر جوتے اور دوپٹے لیکر بیچھے آئی۔۔۔

چوکیدار نے گیٹ کا تالا کھول دیا۔۔۔

گیٹ سے نکل کر سڑک کے دائیں جانب دیکھا۔۔۔ سڑیٹ لیمپ کی روشنی میں ایک دو گاڑیاں کھڑی نظر تو

http://sohnidigest.com

آئیں۔۔۔ مگر ان میں خازن کی گاڑی نہیں تھی۔۔۔

اس نے گردن موڑ کر دوسری جانب دیکھا۔۔۔ وہاں صرف ایک ہی کارر کی ہوئی تھی۔۔۔

گاڑی کافی فاصلے پہ تھی۔۔۔ ضیثمہ نے آنکھیں میچ کر غور سے دیکھا تب ڈرائیونگ سیٹ پہ ہیولا سا نظر آیا۔۔۔
دل کو سکون سا آگیا۔۔۔

چوکیدار سے مخاطب ہوئی۔۔۔

”تم دروازہ بند کرلو۔۔۔ میں تمہارے صاحب کے پاس جا رہی ہوں۔۔۔“

چوکیدار گاڑی دیکھ چکا تھا۔۔۔ اس لیے اثبات میں سر ہلاتے اندر چلا گیا۔۔۔

وہ قدم قدم چلتے گاڑی تک آئی۔۔۔

وہ اپنی جگہ ماکت بیٹھا اسکو آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔۔۔

یہ عورت کتنی پیاری ہے۔۔۔ میں فیصلہ نہیں کر پاتا ہوں۔۔۔ اسکا دل زیادہ پیارہ ہے یا اسکی صورت زیادہ

پیاری ہے۔۔۔

ضیثمہ ایک دم سے اندر نہیں آئی۔۔۔ بلکہ گاڑی کے پاس آکر بالکل سامنے رکی۔۔۔

اب آنکھوں میں حیرت بھرے یک ٹک اسکو دیکھے جا رہی تھی۔۔۔ لیمپ کی زرد روشنی میں خازن داڑھی

بڑھا چہرہ اسکو بیمار دیکھا رہا تھا۔۔۔

حیرت کی جگہ پریشانی نے لی۔۔۔

اگلے پل وہ ڈرائیور کے برابر والی سیٹ سنبھال چکی تھی۔۔۔

خازن نے اسکی جانب دیکھے بغیر گاڑی اندر سے لاک کر دی۔۔۔

جیسے ہی خازن کی خوشبو ضیثمہ کے نتھنوں سے ٹکرائی۔۔۔ اس نے مزید گہری سانس ندر پھینچی۔۔۔

”مجھے بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے؟۔۔۔“

”یہ حالت کیوں بنائی ہوئی ہے۔۔۔“

وہ ہنسناڑانے والے انداز میں ہلکا سا مسکرایا۔۔۔

”ظالم محبت ہو گئی ہے۔۔۔“

ضیثمہ اپنی سیٹ میں زرا مڑی اور پوری طرح غازن کی جانب منہ کر کے بیٹھ کر لگی اسکو پڑھنے۔۔۔

”کس سے ہوئی ہے۔۔۔“

وہ ایک دفعہ پھر ہنسا۔۔۔ نظریں ابھی بھی گاڑی کے تاریک پڑے سپیڈ ڈائل پہ جمی ہوئی تھیں۔۔۔ ماتھے پہ دو بل نمایا تھے۔۔۔

ایک دم گردن موڑ کر اسکی آنکھوں میں سرخ نظریں گاڑتے ہوئے بنجید گئی سے بولا۔۔۔

”تم سے۔۔۔“

ضیثمہ سانس لینا بھول گئی۔۔۔

غازن نے نظر ہٹائی۔۔۔ ضیثمہ کو جیسے غوتا لگا۔۔۔

کھانتے ہوئے بولی۔۔۔

”کیا یہ پریشانی والی بات ہے؟۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ بہت بڑی ہریشانی ہے۔۔۔“

”اسکا حل کیا ہو گا۔۔۔؟“

”میں سوچ سوچ کر زہنی طور پہ مفلوج ہو رہا ہوں۔۔۔ مگر کوئی حل نظر نہیں آ رہا ہے۔۔۔ پہلے مجھے یہ تھام سے

شادی کر لوں گا۔۔۔ اندر کی بے چینی ختم ہو جائے گی۔۔۔“

”کیسی بے چینی۔۔۔؟۔۔۔“

”مجھ سے وہ سوال مت پوچھو جسکا جواب تمہیں مجھ سے دور کر دے گا۔۔۔“

ضیثمہ نے اپنے لبوں کو زبان سے ترکیا۔۔۔ اور بے بسی سے بولی۔۔۔

”غازن مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔۔۔ سچ مچ والی پریشانی۔۔۔ آج کا سارا دن تمہارے رویے کی گتھیا

سلجھاتے گزر رہا ہے۔۔۔ مگر میرے ہاتھ کوئی سرائیںس آ رہا ہے۔۔۔ میری مدد کرو پلیز۔۔۔ مجھے آسان اور سیدھے

لفظوں میں بتاؤ کیا ہوا ہے؟۔۔۔“

”جانتی ہوں تمہارا اور میرا بلڈ گروپ ایک ہے۔۔۔“

”مجھے نہیں یاد میں نے کبھی تمہیں اپنا بلڈ گروپ بتایا ہے۔۔۔“

”تم نے نہیں بتایا۔۔۔ مگر ایک دفعہ میں نے تمہیں خون دیا تھا۔۔۔“

ضیثمہ کو لگا خازن یقیناً پاگل ہو گیا ہے۔۔۔ پھر ایک اور شک گزرا۔۔۔ جسکی تصدیق کے لیے اس نے خازن کی جانب جھک کر اسکو سونگھا۔۔۔

وہ خود اذیتی سے مسکرایا۔۔۔

”میں ڈرگز پہ نہیں ہوں۔۔۔“

”کیا کچھ الٹا سیدھا کھایا ہے؟۔۔۔“

وہ نفی کرتے ہوئے بولا۔۔۔

”اُس رات کے بعد سے آج تک میں نے کبھی ڈرگز نہیں لیے ہیں۔۔۔“

”کس رات کے بعد سے؟۔۔۔“

خازن نے تھوک لٹکا۔۔۔ وقتِ نزاع کی کیفیت کیسی ہوتی ہے؟۔۔۔ آج اسکو بولنا تھا۔۔۔ اندر کالا دوا نکال کر

خود کو آزاد کرنا تھا۔۔۔ اسلیے کہہ دیا۔۔۔

”جس رات سعد کی موت ہوئی تھی۔۔۔“

ضیثمہ نے تعجب سے پوچھا۔۔۔

سعد کا یہاں کیا زکر۔۔۔ اور سعد کی موت کا تمہارے ڈرگز لینے سے کیا تعلق۔۔۔

وہ خاموش بیٹھا رہا۔۔۔ ضیثمہ اسکو دیکھے گئی۔۔۔

خاموشی بولتی رہی۔۔۔ یہاں تک کہ ضیثمہ کے آنکھیں پھیل کر باہر کو نکل آئیں۔۔۔

”نہیں۔۔۔“

ضیثمہ کی سرگوشی کے جواب میں خازن نے سر اٹھاتے میں ہلایا۔۔۔

”خازن میرے ساتھ ایسا بے ہودہ مذاق نہ کرو۔۔۔“

”میری سالی زندگی مذاق بن گئی ہے۔۔۔“

غازن نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا اور سر جھکا لیا

ضیثمہ کی سمجھ نہ آیا اب یہاں اس مقام پہ کیا کہنا ہے۔۔۔؟ یہ کہنا کیا چاہ رہا ہے؟۔۔۔ نہ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔ اس نے حوصلہ کر کے پوچھا۔۔۔

”کیا ہوا تھا۔۔۔؟۔۔۔“

”ضیثمہ کی آواز کانپ رہی تھی۔۔۔“

”بے فکری کی زندگی۔۔۔ پیسے کا خمار۔۔۔ آزادی خود مختاری کا نشہ۔۔۔ سونے پہ سوہاگا۔۔۔ عورت کی صحبت۔۔۔ میں جانور بن گیا تھا۔۔۔ اُس وقت مارکیٹ میں کوئی ایسا نشہ نہیں تھا۔۔۔ مہنگے سے مہنگا۔۔۔ جو میں نے خرید کر استعمال نہیں کیا ہو۔۔۔“

”عورت کی صحبت۔۔۔؟۔۔۔“

ضیثمہ کی سرگوشی پہ غازن نے پل دوپل آنکھیں بند کر کے خود کو یہاں سے غائب کرنا چاہا۔۔۔ مگر اس کے پاس کوئی منتر نہیں تھا۔۔۔ اس لیے آنکھیں کھول کر بولنے لگا۔۔۔

”مثال۔۔۔ میری۔۔۔ گرل فرینڈ۔۔۔ تھی۔۔۔“

ضیثمہ اسکا چہرہ دیکھے جا رہی تھی۔۔۔ جو اس سے نظر بھی نہیں ملا پارہا تھا۔۔۔

”اس دن گاڑی میں وہی میرے ساتھ تھی۔۔۔ ہم لوگ ایک پارٹی پہ جا رہے تھے۔۔۔ مگر گھر سے نکلنے سے پہلے ہم دونوں نے دود و گولیاں کھائی تھیں۔۔۔ ان دنوں ان گولیوں کی بڑی دھوم تھی۔۔۔ چالیس ہزار کی ایک گولی تھی۔۔۔ اور ملتی بھی بڑی مشکل سے تھی۔۔۔ مگر چونکہ میں ایک نمبر کا حرامی بنا ہوا تھا۔۔۔ میری جیب میں ہر اس بندے کا نمبر تھا۔۔۔ جو مجھے ایک کال پہ دنیا کا بہترین نشہ آور مواد مہیا کر سکتا تھا۔۔۔ دن عید تھے۔۔۔ راتیں شب باراتیں۔۔۔ مثال کے بغیر ایک پل نہیں گزرتا تھا۔۔۔ اسکا باپ مجھ سے دو گنا امیر تھا۔۔۔ مجھے مثال کی دوستی نے ملک کی کریم میں اٹھنے بیٹھنے کا موقع دیا۔۔۔ وہ خوبصورت تو تھی ہی مگر اسکو توجہ حاصل کرنا بھی آتا تھا۔۔۔ ہر رات ہم پاگلوں کی طرح پارٹی مناتے نہ جانے کس چیز کی خوشی میں پارٹیاں کرتے تھے۔۔۔ میری سمجھ سے

باہر ہے۔۔۔ گھر پہ ماں می یا بہنوں کو میری آوارہ گردیوں کی خبر نہیں ہوتی تھی۔۔۔ میرا اتنا رعب ہی بہت تھا۔۔۔
 کما تا ہوں۔۔۔ سب کو ہر چیز بن کہے مل رہی ہے۔۔۔ اس کے بعد میرے پہ کسی کا کوئی حق نہیں بچتا کہ کسی کے
 پاس وقت گزاروں۔۔۔۔۔"

"اُس رات جو ہوا۔۔۔ میری روح کو تار تار کر گیا۔۔۔ ایک آدمی نے میرے ہاتھوں میں جان دے دی
 ۔۔۔ میں نشے میں تھا۔۔۔ پھر بھی مجھے وہ رات نہیں بھولتی۔۔۔ مثال کو ہلکے زخم آئے تھے۔۔۔ مگر میں بالکل محفوظ
 رہا گاڑی میں چلا رہا تھا۔۔۔ سعد کی گاڑی بری طرح سے متاثر ہوئی میری گاڑی کو معمولی سے خراشیں آئیں
 ۔۔۔ اور تم۔۔۔ تماری سانسیں تو پل رہی تھیں۔۔۔ مگر سر سے پہنے والے خون نے تمہارا سارا چہرہ تر تھا۔۔۔"
 ضیثمہ کا کانپتا ہوا ہاتھ اس کے بازو پہ رکا۔۔۔ خازن خاموش ہو گیا۔۔۔

اُس نے اپنے ہاتھوں سے چہرہ رگڑا۔۔۔ جیسے اپنے چہرے پہ رقم ہر تحریر مٹانا چاہ رہا ہو۔۔۔
 "مثال وہاں رکتا نہیں چاہتی تھی۔۔۔ اس نے مجھے بھی اپنے ساتھ کھینچا۔۔۔ منتیں کیں۔۔۔ آخر تنگ آ کر
 گالیاں دیتی وہاں سے چلی گئی۔۔۔ میں نہیں جاسکا۔۔۔ سنان سڑک پہ ایک مردہ لڑکا اور ایک نیم مردہ لڑکی کی
 موجودگی میرے اندر کے جانور کو کھا گئی۔۔۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا تھا۔۔۔ اور میں کچھ بھی کر لیتا وقت کو نہیں موڑ
 سکتا تھا۔۔۔ ایک وین کو روک کر ہسپتال جانے پہ راضی کیا۔۔۔ اس کوشش میں کہ شاید لڑکی کی جان بچ جائے۔"
 میں اور فائز اگلے تین دن تک اس ہسپتال میں رہے تھے۔۔۔ ہم لوگ سامنے نہیں آئے۔۔۔ ہمیں ہمارا
 پیسہ بچا گیا۔۔۔ میرے گناہ کا کوئی چشم دید گواہ نہیں تھا۔۔۔ بلکہ مجھے ہیرو سمجھ کر مجھ تک شکر یہ کا پیغام بھجوایا گیا۔۔۔
 کیونکہ نے صرف تمہاری جان بچائی تھی۔۔۔ بلکہ خون بھی دیا تھا۔۔۔۔۔"

ضیثمہ نے اپنی جانب کالا کھولا۔۔۔۔۔

ہمت جواب دے گئی تھی۔۔۔

ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگی تھی۔۔۔ جب خازن نے کھینچ کر واپس بلٹھایا۔۔۔ اور
 دروازہ لاک کر دیا۔۔۔

"ضیثمہ بھاگتا نہیں ہے۔۔۔ نہ تم نے نہ میں نے۔۔۔ کیونکہ میں بھاگ بھاگ کر تنک گیا ہوں۔۔۔"

ضیثمہ نے اسکی گرفت سے اپنا ہاتھ کھینچ کر تھیلی کی پشت سے اپنے لڑھک آنے والے آنسو صاف کئے۔۔۔

”شادی کیوں کی۔۔۔؟۔۔۔“

ضیثمہ کی بھرائی ہوئی آواز غازن کے دل کو چیر کر گئی۔۔۔

”تمہارا مستقبل محفوظ کرنے کے لیے۔۔۔“

”کفارہ۔۔۔؟۔۔۔“

”نہیں کفارہ کرنا ممکن نہ تھا۔۔۔ میرے ہاتھوں تمہارے شوہر کا قتل ہوا تھا۔۔۔ کفارہ کیسے کرتا؟۔۔۔ جس دن تم احمد کے آفس میں نظر آئیں۔۔۔ میرا احساسِ جرم جینے نہیں دیتا تھا۔۔۔ اگر وہ زندہ ہوتا تم نوکریاں نہ ڈھونڈ رہی ہوتیں۔۔۔ تمہیں نوکری دلو اور سوچا شاداب اندر کی آگ پہ کوئی ٹھنڈک پڑے مگر نہیں۔۔۔ ہر روز دل یہ کہتا کہ میں تمہارے سامنے جا کر تمہیں سارے سچ سے واقف کر کے بولوں کہ مجھے سزا دو۔۔۔ مگر میں نے فائز کو سختی سے منع کیا ہوا ہے۔۔۔ وہ مجھے ایسے کسی سنٹ سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔۔۔“

”مئی نے جب فون پہ کہا میرے لیے لڑکی پسند کر چکی ہیں۔۔۔ ساتھ بتایا کہ لڑکی بیوہ ہے۔۔۔ اس پل میری آنکھوں کے سامنے تمہارا چہرہ آیا تھا۔۔۔ اگر بیوہ سے شادی کرنی ہے تو اس سے کیوں نہ کر لوں۔۔۔“

”میری ماں کو تم پسند آئیں۔۔۔ ضیثمہ۔۔۔“

”میں نے دل سے رضامندی ہی نہیں دی بلکہ تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو متاثر کرنے کے لیے ایک بزنس مین کے دماغ سے ساری صورتحال کا سامنا کیا۔۔۔ شادی کر کے مجھے یہ تھا۔۔۔ تمہیں ایک اچھے مستقبل میں مصروف دیکھ کر میرا احساسِ جرم ختم ہو جائے گا۔۔۔ اور میں واپس نارمل زندگی گزارنے لگوں گا۔۔۔ پڑا دھر بھی مجھے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔۔۔ مجھے اب دو ہرا غم کھاتا ہے۔۔۔ ایک تم سے جھوٹ بول کر شادی کی۔۔۔ اور دوسرا تم سے محبت کر بیٹھا۔۔۔ یقین مانو۔۔۔ محبت میرے پلان کا حصہ نہیں تھی۔۔۔“

ضیثمہ بولی تو آواز سنجیدہ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری تھی۔۔۔

تم نے کہا تم سے پہلی نظر کی محبت ہو گئی تھی۔۔۔ منہ سے انکار کرنے کے باوجود میں پاگل اندر ہی اندر تمہاری بات پہ یقین بھی کر گئی۔۔۔ شکر یہ تمہارا تم نے میری آنکھیں کھول دیں۔

اب میری باری ہے کہ کچھ پردے تمہاری آنکھوں سے بھی ہٹا دوں۔۔۔

”سعد کی موت ایک ہیڈنٹ سے نہیں ہوئی تھی۔۔۔“

خازن نے پہلی دفعہ گردن موڑ کر پوری توجہ سے اسکو دیکھا۔۔۔ اب کی بار وہ بالکل سپاٹ چہرہ لیے سامنے دیکھتے ہوئے تیز تیز بول رہی تھی۔۔۔

”ایک ہیڈنٹ کی وجہ ہارٹ اٹیک ہے۔۔۔ ہم لوگ دوسری لائن میں تھے۔۔۔ سعد کے سینے اور بازو میں ایک دم درد اٹھا تھا۔۔۔ میری ساری توجہ اسکی طرف چلی گئی سعد کے سٹیرنگ وہیل سے ہاتھ ہٹ گئے۔۔۔ اس سے پہلے میں کچھ کرتی۔۔۔ گاڑی ایک درخت سے ٹکرانے کے بعد دوسری لائن کی ایک گاڑی سے ٹکرا گئی تھی۔۔۔ جس کے بعد میرا دماغ اندھیرے میں چلا گیا تھا۔۔۔“

”امپا بل۔۔۔“

”یاسر بھائی نے سعد کا پوسٹ مارٹم کروایا تھا۔۔۔ جس کی رپورٹ میں سعد کی موت کی اصل وجہ حرکت قلب کا بند ہونا ہے۔۔۔ تم نے سعد کو نہیں مارا ہے۔۔۔ اسلیے آج کے بعد یہ سوچ کر پریشان ہونا چھوڑ دو کہ تم نے کسی کا قتل کیا ہے۔۔۔ اپنی دنیا میں لوٹ کر عیاشی مارو۔۔۔“

وہ پلک جھپکائے بغیر اسکو دیکھے جا رہا تھا۔۔۔

”تمہارا مسئلہ تو حل ہو گیا ہے خازن اب میری مدد کرو۔۔۔“

وہ اسکے ہاتھ اپنی گرفت میں لیتے ہوئے خطرناک سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔۔۔

”کہیں یہ سب مجھے بہلانے کے لیے من گھڑت تو نہیں ہے؟۔۔۔“

”اس وقت مجھے تم سے شدید قسم کی نفرت محسوس ہو رہی ہے خازن اسلیے نہیں۔۔۔ مجھے تم کو بہلانے کا کوئی شوق نہیں ہے کہ میں تمہاری خاطر جھوٹا سہارا لوں۔۔۔ میں یاسر بھائی سے سعد کی رپورٹ لیکر بھیج دوں گی غور سے پڑھ لینا۔۔۔“

وہ اپنے ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ مگر خازن کی گرفت مضبوط تھی۔۔۔

”اس فقرے کا کیا مطلب لوں۔۔۔؟۔۔۔ یاسر بھائی سے لیکر بھیج دوں گی؟۔۔۔ یاسر بھائی سے لیکر آؤں گی کیوں

نہیں کہا۔۔۔؟

ضیثمہ پوری نفرت سے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پھنکاری۔۔۔

”میرا تمہارے ساتھ کوئی مستقبل نہیں ہے۔۔۔ احساسِ جرم ختم ہو تو احساسِ جرم کی وجہ سے باندھے گئے

بندھن بھی ختم ہونے چاہیں۔۔۔ سہیل ایز دیٹ مسٹرنس مین۔۔۔۔۔ اب ہاتھ چھوڑ دو میرے۔۔۔“

”تم مجھے چھوڑنے کی بات کر رہی ہو۔۔۔؟۔۔۔“

وہ جیسے شاک میں بول رہا تھا۔

”خازن ہاتھ چھوڑ دو۔۔۔“

خازن نے اسکے ہاتھ چھوڑ دیئے۔۔۔

ضیثمہ کا ہاتھ لاک کی جانب گیا مگر لاک نہیں کھلا۔۔۔

”گاڑی کالا کھولو۔۔۔“

”کیا تم غصے میں آگئی ہو۔۔۔؟۔۔۔“

”مجھے تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دینا۔۔۔ لاک کھولو مجھے ایک ہل بھی تمہارے ساتھ اس گاڑی میں

نہیں بیٹھنا۔۔۔“

”کیا دوسری کار لاؤں۔۔۔؟۔۔۔“

ضیثمہ نے بری طرح گھورا۔۔۔ مگر خازن پہ اسکا الٹا اثر ہوا۔۔۔

”ایک طرف مجھے ٹینشن فری کر دیا ہے۔۔۔ دوسری طرف ناراضگی دکھا کر پھر سے ٹینشن میں مبتلا کر رہی ہو۔۔۔

غصہ تم پہ بالکل نہیں چھتا۔۔۔“

”اب تمہاری مثال کدھر ہے۔۔۔ اگر وہ گرل فرینڈ تھی تو شادی اسکے ساتھ کیوں نہیں کی۔۔۔؟؟۔۔۔“

”آؤج۔۔۔!!۔۔۔ تم حلیمس ہو رہی ہو۔۔۔“

ضیثمہ نے رکھ کے اسکے کندھے پہ ایک تھپڑ مارا۔۔۔

”میری جان پہ بن آئی ہے۔۔۔ فضول آدمی اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔۔۔“

”قسم لے جو مذاق کیا ہو۔۔۔“

”مجھے تمہاری فضول کی گفتگو سے کوئی سروکار نہیں ہے۔۔۔ مجھے بس میرے سوال کا جواب دو۔۔۔ شادی مثال سے کیوں نہیں کی۔۔۔“

”یہ سوال تمہیں میری می سے کرنا چاہیے۔۔۔ دیکھو میں تو ایک فرما بردار بیٹا ہوں۔۔۔ جدھر میری والدہ نے کہا میں نے چپ چاپ نکاح کر لیا۔۔۔“

وہ روہاسی ہو کر چیختی تھی۔۔۔

”خازن۔۔۔!“

”اتنے پیار سے مت بلاؤ۔۔۔ میرے دل کو کچھ ہوتا ہے۔۔۔“

”اگر تم نے گاڑی کالا کر نہیں کھولا تو میں می کو فون کر کے بتا دوں گی کہ میں تمہیں چھوڑ کر جا رہی ہوں۔۔۔“

خازن نے کچھ دیر بخچدی گی سے سامنے گیٹ کو دیکھا۔۔۔ پھر مصیبت سے بولا۔۔۔

”کیا می کو بتانا ضروری ہے کہ تم مجھے چھوڑ کر جا رہی ہو۔۔۔؟“

”ہاں۔۔۔ کیونکہ وہ تو میری قصوروار نہیں ہیں۔۔۔“

”ابھی تم نے خود کہا ہے۔۔۔ میں بھی تمہارا قصوروار نہیں ہوں۔۔۔ پھر مجھے کیوں چھوڑنا چاہ رہی ہو۔۔۔؟“

شیخمرہ نے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولنا شروع کیا۔۔۔

”کس منہ سے تم یہ کہہ رہے ہو کہ تم میرے قصوروار نہیں ہو۔۔۔؟ یہ بات کہتے تمہیں شرم نہ آئی۔۔۔؟“

جس دن ہماری منگنی ہوئی تھی۔۔۔ یاد ہے اس دن میں نے تمہیں پوچھا تھا۔۔۔ میں ہی کیوں؟۔۔۔ تب مجھے سچ

کیوں نہ بتایا۔۔۔؟ کیوں جھوٹ بولا۔۔۔؟۔۔۔“

خازن کے زہن سے بوجھ ہٹ گیا تھا۔۔۔ اور مزاج کی ثنوی پورے عروج پہ تھی۔۔۔

”اس رات ہماری بات مسیح پہ ہوئی تھی۔۔۔ مجھے یقین نہ آ رہی تھی۔۔۔“

”ہاں اور نیند میں تم نے جھوٹا مار کر جان پھڑائی۔۔۔“

”نہ ایسا نہیں ہے۔۔۔ میں نے جو کچھ بھی کہا حرف حرف سچ کہا۔۔۔ تم کیوں نہیں؟۔۔۔ جو سعد کے لیے ابھی

آپٹل میں جلتا دیا

تک روتی ہے۔۔۔ اسکو مجھ سے محبت ہوگئی تو میرے لیے بھی ایسے ہی روئے گی۔۔۔

”میں سعد کے لیے نہیں روتی ہوں۔۔۔ جس دن سے تمہارے نکاح میں آئی ہوں۔۔۔ میں اس کے لیے ایک دفعہ بھی نہیں روتی۔۔۔ دیکھا غازن ایاز میں تمہارے جیسی دھوکے باز نہیں ہوں۔۔۔“

”میں کیسے دھوکے باز ہوا۔۔۔؟“

”اپنے طور پر تم نے ہی سوچ کر شادی کی ہے کہ سعد کی بیوہ کا مستقبل محفوظ کر کے خود کو احساسِ جرم سے نکال لو“

”تمہاری شادی کسی اور سے کروا کر بھی احساسِ جرم سے نکل سکتا تھا۔۔۔ کیا ضروری تھا کہ خود ہی شادی کرتا۔“

”بغیر سوچے سمجھے ضیثمہ نے اُس کے منہ پہ تھپڑ مار دیا۔۔۔“

غازن کی آنکھوں میں مار دو یا مر جاؤ۔۔۔ والا جذبہ جاگتا دیکھ کر ضیثمہ نے اپنا ہاتھ مسلا۔۔۔ جس میں چیونٹیاں دوڑ رہی تھیں۔۔۔

گردن موڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔۔۔ گاڑی میں گہری خاموشی چھا گئی۔۔۔

ہگڑی میں گہری خاموشی چھا گئی۔۔۔ جسے توڑتے ہوئے وہ بولا۔۔۔

”چھوڑنے کا آپشن نہیں ہے۔۔۔“

”شادی کی ہے نبھانے کے لیے۔۔۔ بھاگنے کے لیے نہیں۔۔۔“

غازن کی سرگوشتیوں پہ وہ دھاڑی۔۔۔

”اسی لیے پچھلے ایک ماہ سے بگھوڑے ہوئے ہو۔۔۔“

”میں ڈر گیا تھا۔۔۔ سچ جاننے کے بعد مجھے چھوڑنے کی بات کرو گی۔۔۔ اور اگر اپنی دھمکی کے مطابق مثال

خود تمہارے پاس آ کر سچ بتا گئی تب تو اپنا کیس لڑنے کے قابل بھی نہیں بچوں گا۔۔۔“

”ہاں اب تو جیسے میں تمہارا یقین کر لوں گی۔۔۔“

”تمہیں کیا بڑا لگا؟۔۔۔ مثال؟۔۔۔“

”ہاں وہ بھی۔۔۔“

”اور کیا؟۔۔۔“

”مجھ سے شادی ہمدردی میں کی ہے چاہت سے نہیں۔۔ اور مجھے ہمدردی میں ملی بھیک نہیں چاہیے۔“
 ”وہی تو بکواس کر رہا ہوں۔۔۔ جو تعلق ہمدردی میں قائم کیا تھا۔۔ وہ ہمدردی نہیں رہا جان کا وبال بن گیا ہے۔۔۔ کیونکہ اس میں محبت آگئی ہے۔۔“

”اتنا ہی جان کا وبال ہے تو توڑ دونا جان سکون میں آجائے گی۔۔۔“
 ”ایک کام کی بات بتا رہا ہوں۔۔۔ پہلے سے باندھ رکھنا۔۔۔ اگر ساری عمر صرف ہمدردی نبھانی پڑتی تب بھی یہ شادی کا میاب بناتی تھی۔۔۔ اب تو ناکامی کا چانس ہی نہیں رہا۔۔۔“
 ”سارے فیصلے سارے دعوے یک طرفہ۔۔۔ ہی کئے جاؤ۔۔۔ میری چاہت کہاں جائے گی؟۔۔۔“
 خازن نے چلیںج کرتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پر یقین لہجے میں پوچھا۔۔۔
 ”تمہاری چاہت اگر میرے سوا کوئی ہے تو بتاؤ۔۔۔؟“
 ”تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو۔۔۔ کہ میرا جواب اس کے الٹ نہ ہو گا۔۔۔“
 ”اگر جو میں کہہ رہا ہوں۔۔۔ وہ سچ نہ ہوتا تو تمہارا ردِ عمل اتنا سخت نہ ہوتا۔۔۔ جہاں جنگاڑی ہو آگ وہیں بھڑکتی ہے۔۔۔“

”مثال کبھی اہم ہوا کرتی تھی۔۔۔ اب تو وہ گزرے کل کی ایک غلطی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ تمہاری سلطنت میں تمہارا کوئی شریک نہیں ہے۔۔۔ کل کیسا وقت آتا ہے میں نہیں جانتا ہوں۔۔۔ جیسے گزرے ہوئے کل میں یہ سوچنا بھی محال تھا کہ ایک دن آدھی رات تو اپنے گھر کے باہر بیٹھ کر یوں ضیشمہ نامی خاتون کو منارہا ہوں گا۔۔۔ اور وہ اس قدر اہم ہوگی کہ اگر چھوڑ کر جانے کی بات بھی کرے تو دل بے چین ہو جائے۔۔۔ زندگی میں آنے والا کل کسی نے نہیں دیکھا۔۔۔ آج یہ مثال سچ ثابت ہو گئی ہے۔۔۔“
 ”اس کا مطلب تو یہی ہونا کہ کل کو کوئی اور ضیشمہ مل گئی تو میری جگہ وہ صفائیاں سن رہی ہوگی۔۔۔“
 خازن دھیرے سے ہنسا۔۔۔۔۔

”آنے والے کل کا نہیں جانتا ہوں۔۔۔ پر یہ دعا ہمیشہ کرتا رہوں گا کہ اللہ پاک میرے ہر کل میں صرف تمہیں میرا ساقی بنائیں۔۔۔۔ اگر کسی کو صفائیاں دوں تو صرف تمہیں۔۔۔۔ اب کیا خیال ہے ہم ماضی کو ادھر ہی چھوڑ کر

مستقبل کی کھوج میں گھر چلیں؟۔۔۔۔۔

”کیا سوچنے کا وقت نہیں مل سکتا؟۔۔۔۔۔“

”کیوں نہیں میں گاڑی گیٹ تک لیکر جاتا ہوں تب تک تم سوچ لو۔۔۔۔۔“

کہتے ساتھ ہی اس نے چابی گھمائی گاڑی کا انجن مدھر سے سُر کے ساتھ زندہ ہو گیا۔۔۔۔۔ خازن نے گاڑی کے لاک کھول دیئے۔۔۔۔۔

چند سیکنڈ بعد گاڑی گیٹ کے سامنے رکی ہارن دیا۔۔۔۔۔

ادھر چوکیدار نے گیٹ کھولا۔۔۔۔۔ ادھر وہ گاڑی سے نکل کر باہر کھڑی ہو گئی۔۔۔۔۔

خازن شاک کے عالم میں اسکو دیکھے گیما۔۔۔۔۔ جو واپسی کی طرف جاتی لمبی سڑک کو دیکھے گئی۔۔۔۔۔ اور گہری سانس بھرتے ہوئے مرکز خازن کی جانب ایک جاندار مسکراہٹ اچھالتی گیٹ سے اندر چلی گئی۔۔۔۔۔

خازن نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر خود کو یقین دلوایا۔۔۔۔۔

آئینہ میں جلتا دیا۔۔۔۔۔ ہر خوشی جلا نے والا دیا نہیں ثابت ہوا تھا۔۔۔۔۔ بلکہ ایسا چراغ نکلا جس نے دل و جان روشن کر دیئے تھے۔۔۔۔۔

☆.....☆.....☆

”ہماری کیسی عید میری بچی کی ابھی تک میچنگ چوڑیاں ہی نہیں آئی ہیں۔۔۔۔۔“

”داد دادچی۔۔۔۔۔ باتندے۔۔۔۔۔ مماندی۔۔۔۔۔“

تہمینہ نے ہنستے ہوئے اپنی تین سالہ پوتی کے چہرے کو چوم ڈالا۔۔۔۔۔

”باتو چلو گندا ہے۔۔۔۔۔ بات سمجھ میں آتی ہے۔۔۔۔۔ پر ماما کو کیوں گندا بولا۔۔۔۔۔ وہ تو تمہارے کام کرتی ہے۔۔۔۔۔ تمہارا باپ اسکو کم تنگ تو نہیں کرتا۔۔۔۔۔ ایک ٹانگ پہ بھاگ رہی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ پھر بھی تم باپ بیٹی کے شکوے ختم نہیں ہوتے۔۔۔۔۔“

”مماندی اے۔۔۔۔۔“

”اچھا ابھی تو جا کر بابا کو اٹھا کر ساتھ لاؤ۔۔۔۔۔ بولو پھوپھو کہہ رہی ہیں اٹھ جاؤ۔۔۔۔۔ چاند رات ہو گئی ہے کب تک

سوتے رہو گے۔۔۔

”بو بو چاند رات کا اوتی اے۔۔۔“

”میری جان عید کی رات چاند رات ہوتی ہے۔۔۔ نیا چاند نظر آتا ہے۔۔۔“

”با کو لاتی اول۔۔۔“

”ہاں لاؤ۔۔۔“

نیلے رنگ کے نیٹ کے فراک میں جب وہ تیز بھاگتی کمرے سے نکلی تو کندھے پہ گرے ہلکے کرلی بال ساتھ ساتھ ڈانس کرتے جا رہے تھے۔۔۔

تھمینہ بولیں۔۔۔

”تین بجے سویا تھا۔۔۔ ابھی اسکی نیند پوری نہیں ہوئی ہوئی۔۔۔ ہر حرمین اسکو ساتھ لیے بغیر نہیں آئے گی۔۔۔“

دانیہ ہنستے ہوئے بولی۔۔۔

”اسی لیے تو حرمین کو بھیجا۔۔۔ آخر لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔۔۔“

تھمینہ بھی مسکرا دیں۔۔۔

کیونکہ دانیہ جو کہہ رہی تھی وہ بات تھی تو سچ ہی۔۔۔

دروازہ نیم وا تھا۔۔۔ جسے دھکا دیکر چو پٹ کھولتی اندر داخل ہوئی۔۔۔

سوئیچ بورڈ کے نیچے پڑی کرسی پہ چڑھتے ہوئے ایک ڈیڑھ منٹ ضائع ہو گیا مگر وہ دھن کی پکی تھی۔۔۔ سانس

تب ہی لیا جب کرسی پی چڑھ کر بتی جلا لی۔۔۔

فوراً کرسی سے نیچے آتری۔۔۔ اور باپ کے سرہانے کھڑی ہو کر پورے زور سے چیخی۔۔۔

چادر میں چُپے وجود کے ہاتھ برآمد ہوئے جنہوں نے ٹٹول کر حرمین کے بازوؤں کا تعین کیا پھر وہیں سے پکڑ کر

اٹھایا اور بیڈ پہ اپنے برابر بٹھا دیا۔۔۔ یہ روٹین کا کام تھا۔۔۔

دو سیکنڈ بعد کمرے میں دوبارہ سے ہلکے ہلکے خراٹے گونجنے لگے۔۔۔

حرمین کے مزاج پہ وہ خراٹے انتہائی بھاری گزرے جسکا حرجانہ غازن کو بھرنا پڑا۔۔۔

جہاں اسکے چہرے سے چادر ہٹی ہوئی تھی۔ عین وہیں نے رکھ کر تھپڑ مارا۔۔۔
”باتندے۔۔۔“

”میری ماں یوں سوتے میں مت مارا کرو۔۔۔ کہیں کسی دن تمہیں اٹھا کر دیوار میں مار دیا تو پھر۔۔۔“
وہ نیند سے بھری سرخ آنکھیں بیٹی پہ گاڑھے کہہ رہا تھا۔ اسکی اتنی تقریر کے جواب میں منہ بناتے ہوئے بولی۔
”باتندے۔۔۔“

جس طرح وہ ناک چدھا کر اسکی گھور رہی تھی۔ خازن کے لیے مسکراہٹ دبانا مشکل ہو گیا۔۔
”کیوں اٹھایا ہے۔۔۔؟۔۔۔“

”حرمیم کی چونیاں لاؤ۔۔۔“

”کیا لاؤں۔۔۔؟۔۔۔“

”چونیاں۔۔۔“

”ہیں۔۔۔ وہ کیا ہوتا ہے۔۔۔؟۔۔۔ چاکلیٹ ہے؟۔۔۔“

حرمین نے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔۔۔

کمرے میں آتی ضیثمہ نے یہ منظر دیکھا۔ خازن بے چارگی سے پوچھنے لگا۔۔۔

”یہ کیا کہہ رہی ہے۔۔۔؟۔۔۔“

”اسکی چوڑیاں آنے والی ہیں۔۔۔ پہلے می کے پیچھے بڑی ہوئی تھی۔ اب تمہارے پاس آگئی ہے۔۔۔“

”آگئی ہے یا بھیجی گئی ہے۔۔۔ ایک منٹ۔۔۔! تم اتنی تیار کیوں ہوئی ہو۔۔۔ کیا کوئی مہمان آئے ہیں؟۔۔۔“

ضیثمہ نے نفی میں سر ہلایا۔۔۔ اور ڈرینگ روم کی جانب بڑھ گئی۔۔۔ کیونکہ دونوں ہاتھوں میں کپڑوں سے بھرے بنگر اٹھا رکھے تھے۔۔۔

”یہ تمہاری می کدھر جا رہی ہے؟۔۔۔“

”ماما گھر۔۔۔“

”اوہ ہمارے بغیر جائے گی۔۔۔ کیوں؟۔۔۔“

”مماندی اے۔۔۔ باتنڈا اے۔۔۔“

”شہزادی جی۔۔۔ میں چار بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں۔۔۔ اور آج تک میری بہنوں نے مجھ سے یوں بازاروں کے چکر نہیں لگوائے جیسے تم مجھ سے کام لیتی ہو۔۔۔ اور رہتا میں تب بھی گندے کا گندا ہوں۔۔۔ تھوڑی ترقی ہی دے دو۔۔۔“

”چلو۔۔۔ بابا چونیاں۔۔۔“

”تمہاری کوئی عمر ہے چوڑیاں پہننے کی۔۔۔“

”باتنڈے۔۔۔“

”حرمین۔۔۔ بائیں کہتے کتنی دفعہ کہا ہے۔۔۔ بابا کہتے ہیں۔۔۔“

ضیثمہ کے ٹوکنے پہ وہ ناک چڑھاتے ہوئے بولی۔۔۔

”بابا بانی۔۔۔ بابا بولتے ہیں۔۔۔“

”کیسی ببا کی بیٹی ہو۔۔۔ سونے تک نہیں دیتی ہو۔۔۔ ساری اپنی ماں پہ گئی ہو۔۔۔“

غازن کے کہنے پر ضیثمہ نے ملا متی نظروں سے نوازا۔۔۔

”ہاں میں تو تم سے گھر کے کام کرواتی ہوں۔۔۔“

”گھر کے کروادیا اپنے ذاتی کام کرواد بات تو ایک ہی ہے۔۔۔“

”شرم تو نہیں آتی بچی کے سامنے یوں فضول گوئی کرتے ہوئے۔۔۔ تبھی وہ تمہیں گندا کہتی ہے۔۔۔“

”اچھا تو تمہیں کیا کہتی ہے۔۔۔؟۔۔۔“

”اچھی ماما۔۔۔ ہے ناں حرمین ماما اچھی ہے۔۔۔“

حرمین نے ہر لحاظ بالائے طاق رکھ کر نفی میں گردن ہلائی۔۔۔

غازن نے چڑانے والی مسکراہٹ اچھالی۔۔۔

”اب تو یقین ہو گیا ہو گا؟۔۔۔ جو میں کہتا ہوں۔۔۔ ٹھیک کہتا ہوں۔۔۔“

”تم اپنی چار منگ مسکراہٹ دکھا کر جو حاصل کرنا چاہ رہے ہو۔۔۔ میں سب سمجھتی ہوں۔۔۔ پچھلی دفعہ تم نے کہا

تھا۔ تم آئینہ بکھی رات بھر گھر سے باہر نہیں رہو گے۔۔۔ پر تم کیسے بدل سکتے ہو۔۔۔

وہ اپنی بات پوری کئے بغیر باہر کا رخ کر رہی تھی۔۔۔ جب خازن کے دماغ نے کام کیا اور وہ ایک ہی جھٹ میں بیڈ سے اتر کر اس کے برابر پہنچ چکا تھا۔۔۔

"مجھے تمہاری یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ جب مجھ سے لڑنا ہوتا ہے۔۔۔ اس وقت ٹپ ٹپ تیار کیوں ملتی ہو۔۔۔"

"تاکہ لڑائی کر کے اپنے بھائی کی طرف چلی جاؤں۔۔۔ مجھے باتوں میں مت لگاؤ۔۔۔ مجھے تمہاری تصویریں ملی ہیں۔۔۔ جہاں اس چڑیل کے ساتھ ڈنکر رہے ہو۔۔۔"

خازن کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔۔۔

ضیثمہ کا بازو چھوڑ دیا۔۔۔ مڑ کر بیڈ پہ بیٹھی حرمین کو گود میں لیا اور کمرے سے نکل گیا۔۔۔

"حرمینی۔۔۔ دادو کو بولو تیار ہوں۔۔۔ میں بھی تیار ہو کر آتا ہوں۔۔۔ پھر چوڑیاں لینے چلتے ہیں۔۔۔"

"یا ہو۔۔۔ بیاچونیاں۔۔۔"

"جی چوڑیاں۔۔۔"

"پارے ببا۔۔۔"

حرمین نے اسکی گردن میں بانہیں ڈال کر منہ چوما۔۔۔ اور اسکی گود سے اتر کر دادی کی تیاری کروانے بھاگ گئی۔۔۔

خازن بیٹی کو جاتا دیکھتا رہا جب وہ نظروں سے اُجھل ہو گئی پھر کمرے میں مڑا۔۔۔ دروازہ بند کیا۔۔۔ اور ضیثمہ پہ نظروں کا فوکس کیا۔۔۔ چہرے پہ دنیا بھر کی سنجیدگی تھی۔۔۔

"تصویریں کس نے بھیجیں۔۔۔؟۔۔۔ فائر کا نام مت لینا۔۔۔ کیونکہ مجھے علم ہے وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔۔۔"

"واٹس ایپ پہ گروپ میں کسی نے بھیجی تھی۔۔۔"

"مجھے اُس کسی کا نام چاہیے۔۔۔"

"کیا کرو گے؟۔۔۔ جا کر لڑو گے کہ میری بیوی تک میری سرگرمیوں کی خبر کیوں پہنچائی گئی ہے۔۔۔ جب وہ آدھی رات تک میرے انتظار میں بیٹھی نیند بھگا رہی تھی۔۔۔ تب میں اپنی سابقہ معشوقہ کے ساتھ مزے کر رہا تھا۔"

”یو بیٹر وایج یور ٹنگ ڈیئر وائیٹ۔۔۔ یہ بات اگر تمہاری بجائے کسی اور نے کہی ہوتی میں اسکی زبان کاٹ دیتا۔۔۔ اور مجھے اس بات کا بے انتہاد دکھ ہوا ہے کہ یہ الزام لگانے والی تم ہو۔۔۔ کیا ایک انسان کو جاننے کے لیے چار سال کم ہوتے ہیں۔۔۔؟ تم سے بہتر کسی کو علم نہیں ہے کہ اگر کبھی راتوں کو باہر رہتا ہوں۔۔۔ تو صرف اور صرف کاروباری نوعیت کی میٹینگز ہوتی ہیں۔۔۔ یہ جس گھر میں تم سب رہ رہے ہو۔۔۔ اور جس قسم کا عالی شان لائف سٹائل انجوائے کر رہے ہو۔۔۔ یہ سب ممکن ہی تب ہوتا ہے اگر گدھوں کی طرح کام کرتا ہوں تو۔۔۔ میں جانتا ہوں۔۔۔ میرا رات بھر باہر نہ سنا تمہیں اچھا نہیں لگتا۔۔۔ میں یہ بھی جانتا ہوں۔۔۔ جب تک گھر نہ آ جاؤں تمہیں سکون نہیں آتا۔۔۔ ایسے میری پوری کوشش یہی ہوتی ہے آٹھ بجے سے پہلے گھر پہ موجود ہوں۔۔۔ کبھی کبھار ایسا ممکن نہیں ہو پاتا تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ کسی عورت کے ساتھ کہیں بیٹھ کر جھک مار رہا ہوں۔۔۔ اب یہ بھولی سی صورت بنا کر میرے سامنے لٹوئے مت بہانا ورنہ ایک رکھ دوں گا۔۔۔“

”اتنے میریس کیوں ہو گئے ہو۔۔۔؟ میں تو بس کل رات کا غصہ نکالتے ہوئے تھوڑا آدور ہو گئی۔۔۔“

”ہٹو سامنے سے۔۔۔ مجھے تیار ہونا ہے۔۔۔“

”ایسے کیسے ہٹوں۔۔۔ پہلے لڑائی لڑائی معاف کرو۔۔۔“

”ضیثمہ۔۔۔“

غازن کی نظروں میں غصہ نایاب رہا تھا۔۔۔ وہ جان گئی تھی۔۔۔ بہت غلط ٹپن دبا گئی ہے۔۔۔ مگر اب جیسے بھی پرداس آدمی کو منا کر ہی سکون آتا تھا۔۔۔

اپنے اور اسکے درمیان کا فاصلہ ختم کرتے قریب آئی۔۔۔

ہاتھ بڑھا کر غازن کا چہرہ چھونا چاہا۔۔۔

غازن نے اسکا ہاتھ جھٹک دیا۔۔۔ اود آگے بڑھنے لگا۔۔۔ وہ پھر سامنے آگئی۔۔۔

”تم جانتے تو ہو۔۔۔ تم میرا بڑا ہی قیمتی خزانہ ہو۔۔۔ اور وہ عورت ہر اس نگید رنگ میں جان بوجھ کر شامل ہوتی ہے۔۔۔ جہاں تمہاری آمد کے امکان ہوں۔۔۔ جانتے ہو گو روپ میں عورتیں کہہ رہی تھیں۔۔۔ مثال دن رات چکھتی ہے کہ اس نے غازن کو کھود دیا ہے۔۔۔ مثال کو ضیثمہ سے انتہائی نفرت ہے۔۔۔ وہ سرعام کہتی ہے

۔۔۔ جس وقت شیشمہ انہی زندگی میں آئی عین اسی ہل مثال اور خازن کے راستے بھرا ہوئے۔۔۔ عین اسی وقت اسی ہل اُس نے اپنا عاشق کھو دیا۔۔۔ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔۔۔ اسلیے میں ڈرتی ہوں۔۔۔ ایک عورت اگر خود کو پیش کرے تو کوئی مرد کب تک نظر پھیر سکتا ہے۔۔۔ کب تک متوجہ نہ ہوگا۔۔۔ کیا ہوگا اگر ایک دن یونی اچانک تمہارا دل بدل گیا۔۔۔؟ پھر میں کیا کروں گی؟۔۔۔ کہاں تمہیں ڈھونڈو گی؟۔۔۔ میں تم پہ شک نہیں کرتی ہوں۔۔۔ خازن ایاز پر بڑے وقت سے ڈرتی ہوں۔۔۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔۔۔ ایک مرد تم سے پہلے میری زندگی میں آیا تھا۔۔۔ چلا گیا۔۔۔ کوئی فرق نہیں پڑا۔۔۔ کیونکہ اسکی موجودگی کے اثرات میری زندگی میں گہرے نہیں تھے۔۔۔ صرف ایک نام کا حوالہ تھا۔۔۔ تم میری روح ہو۔۔۔ میں تم میں جیتی ہوں۔۔۔ تم میری بچی کے باپ ہو سُن رہے ہو۔۔۔؟ وہ عورت سب کو کہتی ہے کہ ایک دن وہ تمہیں واپس جیت لے گی۔۔۔"

شیشمہ کی کانٹیتی انگلیوں کی گرفت میں خازن کا دامن تھا۔۔۔ آنکھوں میں آنسو پھیلے ہوئے تھے۔۔۔ نظر ملانے سے سکتا رہی تھی۔۔۔

خازن کا غصہ جھاگ کی طرح وہیں بیٹھ گیا۔۔۔ پہلے اسکی کانٹیتی انگلیوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔۔۔ ہلکے سے پریشر کے ساتھ اسکے ہاتھ دبا تا رہا۔۔۔ یہاں تک کہ کپکپاہٹ تقریباً ختم ہو گئی۔۔۔

پھر سیدھے ہاتھ سے شیشمہ کے گالوں پہ پھیلی نمی سمیٹی۔۔۔

"مجھ تک بھی یہ باتیں پہنچی ہیں۔۔۔ میں اب تک صرف اس لیے خاموش تھا کہ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔۔۔ کہ ایک اے بی سی ڈی انسان اٹھ کر میرے لیے جو بھی کہتا پھرے۔۔۔ وہ اپنے باپ کی کپنی چلا رہی ہے۔۔۔ بزنس اچھا ہے بہت پُرانی فرم ہے۔۔۔ اسلیے ہم نے صرف بزنس کے انٹرسٹ کو دیکھتے ہوئے اُن لوگوں کے ساتھ دو پرڈ جیکٹ فائنل کئے تھے۔۔۔ ایک پچھلے سال اور ایک اس سال۔۔۔ میرا کاروبار جتنا بھی اچھا چلے اگر میری فیملی کسی طرح سے بھی سفر کر رہی ہو تو میری محنت کا کیا فائدہ۔۔۔ خاص کر جس عورت کو ساری عمر اپنی نظروں کے سامنے خوش باش ہنستا کھیلنا دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔ اگر وہ یوں پریشان رہے گی تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کر پاؤں گا۔۔۔ ہاں انسان ہوں۔۔۔ فرشتہ نہیں ہوں۔۔۔ انسان کا کیا ہے کبھی بھی بھٹک سکتا ہے۔۔۔ مگر تم میرے لیے دُعا کرتی رہو گی تو مجھے کچھ نہیں ہوگا۔۔۔ اور میری بیٹی تو آج ہی اتنے بھاری تپڑ مارتی ہے۔۔۔ ادھر میرے گال پہ

ابھی تک جان ہو رہی ہے۔۔۔

ضیثمہ کے لب پھیلے۔۔۔ سر اس کے دھڑکتے صحت مند سینے پہ رکھتے ہوئے بولی۔۔۔
”تمہارا اپنا قصور ہے۔۔۔ تمہی نے اسکو اتنا فری کیا ہوا ہے۔۔۔“

غازن مسکرایا۔۔

”اب تو پریشان نہیں ہو۔۔۔؟“

ضیثمہ نے جواب نہ دیا بلکہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔۔۔

”کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔۔۔؟“

”مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو؟۔۔۔ کیا تم نہیں جانتی ہو؟۔۔۔“

”نہیں میں نہیں جانتی ہوں۔۔۔“

”میں نے شادی کے چار ماہ بعد ہی تم سے اظہارِ محبت کیا تھا۔۔۔ اور آج تک عمل کر رہا ہوں۔۔۔ پھر بھی پوچھ

رہی ہو؟۔۔۔“

”شادی کو عرصہ ہو گیا۔۔۔ مجھے اب دوبارہ سے اظہارِ چاہیے۔۔۔“

وہ مسکرایا۔۔۔

”ابھی چاہیے؟۔۔۔“

”ہاں ابھی چاہیے۔۔۔ اور زبانی اظہارِ چاہیے۔۔۔“

”اچھا۔۔۔ چلو یونہی سہی۔۔۔ ایک فون کال کی اجازت مل سکتی ہے؟۔۔۔“

وہ ضیثمہ کے جواب سے پہلے ہی بیڈ سائیڈ پہ رکھا اپنا موبائل اٹھلٹکا تھا۔۔۔

ڈائز کٹری میں سب سے پہلا نمبر ملایا۔۔۔

چوتھی بیل پہ جواب موصول ہوا۔۔۔

ضیثمہ بیڈ ٹھیک کرنے میں لگ گئی تھی۔۔۔

غازن نے اسکا ہاتھ پکڑ کر بیڈ پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔۔۔ اور فون کا سکیمہ آن کیا۔۔۔

”فائر۔۔۔؟۔۔۔“

”جی سر۔۔۔“

”میرے وکیل کو بولو۔۔۔ وہ مثال غنی کی انٹرپرائز کو لکھ دے کہ آج کی تاریخ سے میں اُن لوگوں کے ساتھ کئے اپنے تمام کاروباری معاملے ختم کر رہا ہوں۔۔۔ معاہدے سے پھرنے کا جو بھی ہرجانہ ہو گا وہ میں دینے کو تیار ہوں۔۔۔“

”سریہ آپ کہا کہہ رہے ہیں۔۔۔ اتنا بڑا فیصلہ اتنی اچانک۔۔۔ سر لاکھوں چھوڑ کر وڑوں کا نقصان ہے۔۔۔“

”فائدہ زیادہ ہے۔۔۔ مجھے ایسے نقصان سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔۔ مگر انکو لکھ دو۔۔۔ دوغی عورت کے ساتھ مزید کوئی ڈیل نہیں ہوگی۔۔۔ اب زیادہ سوال و جواب نہ کرو۔۔۔ مجھے اپنی حرمین کو چوڑیاں دلوانے جانا ہے۔“

اُس نے فون بند کرتے ہوئے فخریہ نظروں سے منیشرمہ کو دیکھا۔۔۔

جو حیران بیٹھی تھی۔۔۔

”یہ کیا حرکت کی ہے؟۔۔۔ اپنا اتنا سرمایہ کیوں ڈبو رہے ہو۔۔۔“

”چمپر کلوز ڈ۔۔۔ نو مور آر گیو منٹ۔۔۔ اور جہاں تک اظہارِ محبت ہے۔۔۔ میں ہر روز نہ بھی کہوں تو تم یہ یقین لیکر گھوما کرو۔۔۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔۔۔ کتنی کرتا ہوں۔۔۔ کیوں کرتا ہوں۔۔۔ یہ سب فضول ہے۔۔۔ بس اہم ہے تو یہ کہ محبت کرتا ہوں۔۔۔“

دروازے پہ ننھے ہاتھوں کی دتک شروع ہو گئی تھی۔۔۔ اور وہ فوراً سے دروازہ کھولنے کو آگے بڑھا آخر دوسری جانب اُسکی بیٹی تھی۔۔۔ جسکو عید کی چوڑیاں درکار تھیں۔۔۔ اور وہ اسکی ہر ننھی خواہش کو محترم جانتا تھا۔۔۔

ختم شد

